عرض احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان سطور کی تحریر کے وقت رمضان المبارک کے آخری عشرے کا آغاز ہو چکا ہے۔
ہماری زندگی کے دوران ماہِ رمضان المبارک کا ایک بار پھر جلوہ افروز ہونا یقیناً اللہ تعالیٰ کا ہم پر ایک عظیم احسان ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہِ مبارک کے دوران دِن کے روزے اور رات کے قیام بالقرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کے مستحق بنتے ہیں' جبکہ ایسے لوگوں کی بدبختی پر افسوس ہے جن کی زندگی میں یہ ماہِ مبارک آتا بھی ہے تو ان کے شب و روز میں کوئی تغیر نہیں آتا اور انہیں اس نعمتِ عظمیٰ کے زیاں کا احساس تک نہیں ہوتا جو رمضان المبارک کی صورت میں ان کی زندگی کے لمحات میں داخل ہوئی اور اپنا کوئی اثر چھوڑے بغیر چلی گئی۔ رسول رحمت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ((فَاِنَّ الشَّقِیَّ مَنْ حُرِمَ فِیْهِ رَحْمَةَ ال
''یقیناً وہ شخص انتہائی بدبخت ہے جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا''۔

اس ماہِ مبارک کے بارے میں ایک انتہائی اہم بات' جو اکثر ہمارے پیشِ نظر نہیں رہتی' یہ ہے کہ رمضان المبارک مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں ایک ریفریشر کورس کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے دوران حاصل ہونے والے فیوض و برکات کے اثرات ہماری زندگیوں پر مستقل اور دائمی ہونے چاہئیں۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس ماہِ مبارک میں شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں (صُفِدَتِ الشَّیَاطِیْنُ)۔ قید کی مدت ختم ہوتے ہی جونہی ان کو رہائی ملتی ہے ان کا اوّلین ہدف مسلمانوں کی اُس دولتِ ایمانی پر ڈاکہ زنی ہوتا ہے جو انہوں نے اس ماہِ مبارک کے دوران جمع کی ہوتی ہے۔ اپنے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے شیاطین مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔ آج کے دور میں شیاطین کے پاس انتہائی مؤثر حربہ ذرائع ابلاغ خصوصاً ٹی وی چینلز کا ہے۔ چنانچہ رمضان کے ختم ہوتے ہی شیاطین اور ان کی معنوی ذریت اس محاذ پر صف آرا ہو کر مسلمانوں کے دین و ایمان پر بھرپور طریقے سے حملہ آور ہوتی ہے۔ عید کے حوالے سے ٹیلی ویژن پر خصوصی رنگارنگ پروگرام اسی حملے کا مظہر ہوتے ہیں' تاکہ رمضان کے دوران مسلمانوں کے سیرت و کردار پر جو بھی مثبت اثرات مترتب ہوتے ہیں انہیں یکسر محو کر دیا جائے اور لوگوں نے صیام و قیامِ رمضان کے ذریعے اپنے ایمان کی پونجی میں جو اضافہ کیا ہے اس سے انہیں محروم کر دیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کو اِس محاذ پر انتہائی ہوشیار

اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے اور ''عید سپیشل'' کے نام پر ایسے حیا سوز اور مخربِ اخلاق ٹی وی پروگرام دیکھنے سے مکمل اجتناب ضروری ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا..... ﴾ ؎

نفس اور شیطاں ہیں خنجر در بغل
وار ہونے کو ہے اے غافل سنبھل!

☆☆☆

رمضان المبارک کے عشرۂ رحمت کے دوران وطنِ عزیز میں آنے والا ہولناک زلزلہ قوم کے لیے مقامِ عبرت بھی ہے اور بہت بڑی آزمائش بھی۔ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور اس کی غلط روش پر متنبہ کرنے کے لیے اس نوع کے عذاب بھیجنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ چنانچہ اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرتے ہوئے ہمیں سوچنا چاہیے کہ یہ کہیں ہمارے اس قومی جرم کی سزا نہ ہو کہ ہم نے گزشتہ ۵۸ برسوں میں اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اس خطۂ ارضی پر اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنے کی بجائے یہود و نصاریٰ کے تمدن اور غیر اسلامی ثقافت کو اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے۔ خصوصاً گزشتہ چند سال سے ہمارے ہاں قومی سطح پر اللہ تعالیٰ کے خلاف جو کھلی سرکشی کا مظاہرہ ہو رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس عظیم قومی سانحے کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے حکمران بھی اللہ کے حضور توبہ کریں اور اپنے اسلام مخالف اقدامات سے رجوع کریں اور پوری قوم بھی اپنے گناہوں پر اور دینی غیرت کے حوالے سے اپنی بے حسی پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں صدقِ دل سے توبہ کرے۔

آزمائش کی اس گھڑی میں اپنے زلزلہ زدگان بھائیوں کی مدد اور امدادی کارروائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہمارا دینی اور قومی فریضہ ہے' جسے اس وقت اہل وطن نے محسوس بھی کیا ہے۔ تنظیم اسلامی بھی اپنے محدود وسائل کے ساتھ ہر ممکن امداد کے لیے ضروری اقدامات کر رہی ہے اور اس مقصد کے لیے ایک خصوصی فنڈ قائم کر دیا گیا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے وسط نومبر میں ہونے والے سالانہ اجتماع کی منسوخی کا اعلان کر دیا ہے تاکہ زلزلہ زدگان کے لیے امدادی کارروائیاں پوری یکسوئی کے ساتھ جاری رکھی جا سکیں۔ انہوں نے رفقائے تنظیم سے اپیل کی ہے کہ وہ اجتماع پر اٹھنے والے اپنے اخراجات بھی امدادی فنڈ میں جمع کرا دیں۔ رفقاء تنظیم سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زلزلہ کے متاثرین کی رضا کارانہ امداد کے لیے ذہنی طور پر تیار رہیں' کسی بھی رفیق کو امدادی کارروائیوں میں حصہ لینے کے لیے طلب کیا جا سکتا ہے۔ oo

تذکرہ و تبصرہ

دہشت گردی کی قسمیں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا جامع القرآن' قرآن اکیڈمی لاہور میں ۵/اگست ۲۰۰۵ء کا خطابِ جمعہ

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولہِ الکریم ...... امّا بَعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَاَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَیۡلِ تُرۡہِبُوۡنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمۡ وَاٰخَرِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَہُمۡ ۚ اَللّٰہُ یَعۡلَمُہُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ (الانفال)

حضرات! آج مجھے دہشت گردی کے موضوع پر کچھ گفتگو کرنی ہے۔ یعنی اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ذہن نشین کر لیجیے کہ عربی زبان میں دہشت گردی کے لیے لفظ ''اِرْھَاب'' آیا ہے۔ ''رھب'' ڈرنے کو کہتے ہیں۔ راھب وہ شخص کہلاتا ہے جو اللہ سے بہت ڈرتا ہو۔ اِرْھَابٌ (مصدر) سے جمع مذکر حاضر کا صیغہ ''تُرْھِبُوْنَ'' بنتا ہے۔ متذکرہ بالا آیت میں ''تُرْھِبُوْنَ'' کا لفظ آیا ہے اور یہ لفظ قرآن مجید میں صرف اسی آیۂ مبارکہ میں استعمال ہوا ہے۔ ''اِرْھَابٌ'' کے معنی ہیں دہشت زدہ کرنا' خوفزدہ کرنا۔

دشمن پر دہشت طاری کرنا

دہشت گردی یا خوف زدگی کی پہلی قسم خاموش ہوتی ہے' یعنی غیر فعال (inactive) دہشت گردی۔ یہ پوری دنیا میں عام ہے اور یہ ہر ملک کر رہا ہے۔ خاموش دہشت گردی کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے زیادہ سے زیادہ اسلحہ جمع کرنا' زیادہ

سے زیادہ سامانِ حرب وضرب مہیا کر کے رکھنا' تا کہ دشمن پر رعب قائم رہے' اس پر خوف طاری رہے' وہ کسی جارحانہ اقدام سے باز رہے۔ دہشت گردی کی یہ پہلی شکل ہے جس میں ایکشن نہیں ہے' بلکہ یہ inactive ہے۔ البتہ یہ بات جان لیجیے کہ یہ دہشت گردی علانیہ (open) ہوتی ہے۔ اسے خفیہ نہیں بلکہ برسرعام ہونا چاہیے' تا کہ دشمن کو معلوم ہو جائے کہ میرے مدّ مقابل کے پاس فلاں ساز وسامان ہے' اتنا سامانِ حرب ہے' ایسے ایسے میزائل ہیں' اس نے فلاں ٹینک بنا لیا ہے' جو پچھلے ٹینکوں کے مقابلے میں ''advanced'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ممالک میں سالانہ پریڈ ہوتی ہے اور اس میں اپنے ہتھیار اور اسلحہ کی نمائش کی جاتی ہے' تا کہ کوئی پڑوسی ملک' کوئی دشمن کسی جارحانہ اقدام سے پہلے سو بار سوچے اور حملے کی جرأت نہ کر سکے۔

مسلمانوں پر اس کام کو لازم اور فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ جدید ترین سامانِ جنگ تیار رکھیں' تا کہ دشمن پر رعب طاری رہے۔ چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت ۶۰ میں فرمایا: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ.....﴾ ''(اے مسلمانو!) اُن (دشمنوں) کے لیے زیادہ سے زیادہ سامانِ حرب وضرب تیار رکھو''۔ ''مَا اسْتَطَعْتُمْ'' سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جتنا بھی تمہارے حدّ امکان میں ہو زیادہ سے زیادہ جنگی اسلحہ کا انتظام کرو۔ ﴿وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ ''اور جنگی گھوڑوں کو اپنے پاس تیار رکھو''۔ گھوڑے کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ اُس دور میں ناگزیر ضرورت تھی۔ یہ اُس زمانے میں وہی کام کرتا تھا جو آج ٹینک کرتا ہے۔ اس وقت کی کیولری (cavalry) یہ گھوڑا تھا۔ چنانچہ جب وہ تیزی کے ساتھ آتا تھا اور دشمن کی صفوں میں گھستا تھا تو اس کے قدموں تلے بہت سے لوگ کچلے جاتے تھے۔ یہی آج کل ٹینک کا معاملہ ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ سامانِ حرب خفیہ نہ ہو' اس کا برملا اظہار ہونا چاہیے۔ بندھے ہوئے گھوڑے ہوں تو دنیا کو نظر آئیں کہ ان کے پاس یہ گھوڑے ہیں۔ توپ' ٹینک یا دیگر جدید اسلحہ ہو تو دشمن کو خبر ہونی چاہیے کہ ان کے پاس جدید اسلحہ ہے' سامانِ حرب وضرب ہے' تا کہ اُس پر رعب طاری رہے اور وہ کسی مہم جوئی

(adventure) کی جرأت نہ کرے۔ اس کی ایک بڑی مثال پاکستان کے ایٹمی دھماکے ہیں۔ ہندوستان نے پہلی بار ایٹمی دھماکہ ۱۹۷۴ء میں کیا تھا۔ اُس وقت پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کشیدگی بہت زیادہ نہیں تھی۔ لیکن ۱۹۹۸ء میں جب اُس نے دوبارہ ایٹمی دھماکے کیے تو اس کے نتیجہ میں پاکستان کو بھی دھماکے کرنا پڑے' تاکہ ہندوستان کو اپنی ایٹمی صلاحیت سے آگاہ کر کے اسے دہشت زدہ کیا جائے' حالانکہ اُس وقت پاکستان بڑی مشکل صورت حال سے دوچار تھا۔ پوری دنیا کا دباؤ تھا کہ دھماکہ نہ کیا جائے۔ امریکی صدر کلنٹن نے ذاتی طور پر میاں نواز شریف کو فون کر کے کہا تھا کہ دھماکہ نہ کریں' اس کے صلہ میں ہم تمہیں فلاں مراعات دیں گے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ پاکستان بھی ایک ایٹمی قوت بن جائے' کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اہم مسلمان ملک ہے' چنانچہ یہاں کا ایٹم بم مسلم ایٹم بم قرار پائے گا اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے نتیجے میں پورے عالم اسلام کی ہمتیں بندھ جائیں گی۔ نوائے وقت کے ایڈیٹر جناب مجید نظامی صاحب نے مجھے بتایا کہ نواز شریف صاحب اس معاملے میں کچھ متذبذب تھے' اس لیے کہ انہیں دھمکیاں بھی مل رہی تھیں اور مراعات کا لالچ بھی دیا جا رہا تھا۔ گویا اُن کے ساتھ ''stick and carrot'' والا معاملہ تھا' یعنی گاجر بھی دکھائی جا رہی تھی کہ اگر تم دھماکوں سے باز رہے تو تمہیں یہ چیزیں مل جائیں گی اور چھڑی بھی دکھائی جا رہی تھی کہ اگر تم نے یہ کام کیا تو یہ سزا ملے گی۔ ظاہر بات ہے کہ ان حالات میں پاکستان کے لیے ایٹمی دھماکے کا فیصلہ بہت مشکل تھا۔ پاکستان اتنی بڑی طاقت نہیں تھا کہ امریکہ کی ترغیب و ترہیب کے باوجود ایٹمی دھماکہ کرتا۔ لیکن عوام کا زبردست دباؤ تھا کہ ہمیں ہندوستان کی عسکری بالادستی قبول نہیں' جس کی وجہ سے دھماکے کیے گئے۔ چنانچہ جناب مجید نظامی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے وزیراعظم نواز شریف سے اُس وقت صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر آپ نے دھماکہ نہیں کیا تو ہم آپ کا دھماکہ کر دیں گے۔

ریاستی دہشت گردی

دہشت گردی کی دوسری قسم ریاستی دہشت گردی ہے کہ کوئی حکومت دہشت گردی کرے۔ کسی ملک کے کسی خاص حصہ میں' جہاں کسی خاص قومیت کے لوگ آباد ہوں یا خاص مذہب کے لوگ اکثریت میں ہوں' اگر وہ چاہیں کہ ہمیں علیحدہ کر دیا جائے' ہمیں علیحدہ ملک چاہیے' تو انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی آزاد اور خود مختار ریاست قائم کر لیں۔ اس کو حق خود اختیاری (Self determination) کہتے ہیں۔ یہ حق ہر قوم کو حاصل ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرے کہ ہم نے فلاں ملک کے ساتھ رہنا ہے یا نہیں رہنا ہے۔ یہ حق چیچنیا والوں کا بھی ہے اور فلپائن کے جنوبی جزیروں کے مسلمانوں کا بھی ہے جہاں اُن کی اکثریت ہے۔ تھائی لینڈ کے جنوبی علاقہ میں جہاں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں ان کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ کشمیر میں نوے فیصد مسلمان ہیں تو خود ارادیت ان کا بھی حق ہے۔ اسی طرح فلسطین کے مسلمان بھی یہ حق رکھتے ہیں۔ اس حق کو دبانا' انہیں علیحدگی پسندگی سے باز رکھنے اور حق خود اختیاری سے محروم رکھنے کے لیے ڈرانا' خوف زدہ کرنا' مارنا پیٹنا' torture کرنا' انہیں جیلوں میں ٹھونسنا' ان کی بستیوں کو آگ لگا دینا' ان کے مکانوں کو ڈھا دینا' ان کی آبادیوں کو بلڈوز کر کے تباہ کر دینا' یہ دہشت گردی کی وہ قسم ہے جسے ریاستی دہشت گردی (State Terrorism) کہتے ہیں۔ اس قسم کی دہشت گردی اِس وقت دنیا میں سب سے زیادہ بڑے پیمانے پر فلسطین اور کشمیر میں ہو رہی ہے' جبکہ ذرا چھوٹے پیمانے پر چیچنیا' فلپائن اور تھائی لینڈ میں ہو رہی ہے۔

اس ریاستی دہشت گردی کے ضمن میں عالمی برادری اور اقوامِ متحدہ منافقانہ رویہ اپنائے ہوئے ہے۔ انڈونیشیا کے صوبے تیمور میں جھگڑا اٹھا اور اس کے مشرقی علاقے میں جہاں عیسائیوں کی اکثریت ہو گئی تھی ذرا سے فسادات ہوئے تو اقوام متحدہ فوراً حرکت میں آئی۔ فوجیں بھیج دی گئیں اور تیمور کو تقسیم کر کے مشرقی تیمور کے اندر ایک رومن کیتھولک عیسائی حکومت قائم کر دی گئی۔ لیکن دوسری جانب اقوام متحدہ

کی فورسز کشمیر اور اسرائیل میں نہیں جا سکتیں۔ وہ کبھی چیچنیا اور تھائی لینڈ میں نہیں جائیں گی۔ وہ خطے کہ جہاں مسلمانوں کا حق مارا جا رہا ہو‘ جہاں ان کی آزادی سلب کی جا رہی ہو‘ جہاں ان کے حق خود اختیاری کی نفی کی جا رہی ہو‘ وہاں اقوام متحدہ کی جانب سے کوئی ایکشن نہیں لیا جائے گا۔ حالانکہ یہ تنظیم ’’United Nations Organization‘‘ بظاہر تمام اقوام کی نمائندگی کرتی ہے اور اس کا قیام ہی اس لیے عمل میں آیا تھا کہ دنیا میں امن وامان قائم کرے۔

اقوام متحدہ کا حال یہ ہے کہ اس کا سب سے بڑا سرپرست ایریل شیرون ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ شخص جس نے لبنان میں مہاجرین کے کیمپوں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا‘ جس کے ہاتھ ہزاروں فلسطینیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں‘ آج اسے Man of Peace کہا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کے قاتل کو چھٹی دے دی گئی ہے کہ جتنا چاہو اُن کا خون بہاؤ‘ جتنے چاہو اُن پر ظلم کرو‘ کوئی تم سے نہیں پوچھے گا۔ کوئی عالمی میڈیا نہیں بتائے گا کہ کیا ہو رہا ہے‘ کہاں کتنے گھر بلڈوز کر دیے گئے ہیں۔ کس قدر ظلم اور ناانصافی ہے کہ ریاستی دہشت گردی خواہ کشمیر میں ہو رہی ہے یا فلسطین میں‘ چیچنیا میں ہو رہی ہے یا فلپائن اور تھائی لینڈ میں‘ ہر جگہ مسلمان ہی اس کا نشانہ بن رہے ہیں۔

ریاستی دہشت گردی کا ردّعمل

تیسری قسم کی دہشت گردی وہ ہے جسے آج کل عام طور پر دہشت گردی کہا جاتا ہے اور جس کا پوری دنیا میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ اس کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو ریاستی دہشت گردی کا ردّعمل ہے۔ انسانوں کے دلوں کے اندر ایک جذبۂ حریت ہوتا ہے۔ ان کے سینوں میں پتھر نہیں ہوتے‘ دل ہوتا ہے۔ وہ گونگے بہرے نہیں ہوتے‘ واقعات کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں تو ردّعمل میں ایک دہشت گردی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جو سرکاری دہشت گردی ہو رہی ہے وہ مسلح ہے۔ سرکار کے پاس ایئر فورس ہے‘ ٹینک ہیں‘ ایف سولہ ہیں‘ جدید ہیلی کاپٹرز ہیں‘ اور یہ خطرناک اسلحہ سے

لیس ہو کر تحریک حریت کو کچل رہی ہے' تو ظاہر ہے اس ظلم کا ردّعمل ضرور ہو گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کشمیر' فلسطین اور عراق میں بدترین ریاستی دہشت گردی ہو رہی ہے۔ خونِ مسلم ناحق بہہ رہا ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ شیخ احمد یاسین جیسے معذور آدمی کو بھی' جن کی پوری زندگی وہیل چیئر پر کٹی تھی' ایک میزائل مار کر چھلنی کر دیا گیا۔ یہ ساری دہشت گردی ریاست کی سطح پر ہو رہی ہے۔ لہٰذا ردّعمل کچھ نہ کچھ تو ہو گا۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں!

بے بس مسلمان نوجوان یہ سمجھتا ہے کہ دشمنوں نے ہمیں جلد یا بدیر مار دینا ہے۔ جب مرنا ہی ہے تو کیوں نہ اپنے ساتھ بم باندھ لیں اور خودکش دھماکہ کر کے اپنے کچھ دشمنوں کو مار کر مریں! فیض احمد فیضؔ کے چند اشعار اس صورت حال کی بہت عمدہ ترجمانی کرتے ہیں:

دشنام' نالہ' ہاؤ ہو' فریاد کچھ تو ہو — چیخے ہے درد' اے دل برباد کچھ تو ہو
مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف کیا — اتنا تو ہو کہ باندھنے پائے نہ دست و پا
مقتل میں کچھ تو رنگ جمے جشن رقص کا — آلودہ خوں سے پنجۂ صیاد کچھ تو ہو
خوں پر گواہ دامنِ جلاد کچھ تو ہو — جب خوں بہا طلب کریں بنیاد کچھ تو ہو!

یہ ہیں درحقیقت وہ جذبات جن کے تحت ریاستی دہشت گردی کے خلاف ردّعمل پیدا ہوتا ہے اور پھر کاؤنٹر دہشت گردی ہوتی ہے۔ اس کو بدنام کرنے کے لیے تو پورا ورلڈ میڈیا مصروف ہے' لیکن مسلمانوں کے قتل عام پر' جس کا یہ نتیجہ ہے' دنیا خاموش ہے' حالانکہ اگر کہیں پر چند عیسائی مارے جائیں تو فوراً شور اٹھ جاتا ہے۔ مشرقی تیمور کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہاں کچھ عیسائی مارے گئے تھے تو پوری دنیا کے میڈیا پر اس کے خلاف احتجاج ہوا اور فوراً اقوامِ متحدہ کی فوج قیامِ امن کے نام پر وہاں پہنچ گئی۔ تیمور کو تقسیم کر دیا گیا اور مشرقی تیمور کے اندر رومن کیتھولک حکومت قائم ہو گئی۔

جہادِ حریت اور جدوجہد آزادی

ریاستی دہشت گردی کا ایک دوسرا ردّعمل' جسے آج کل دہشت گردی قرار دیا جا

رہا ہے وہ دراصل جہادِ حریت اور جدوجہد آزادی ہے۔ کسی ملک نے حملہ کر کے دوسرے ملک پر جا کر قبضہ کر لیا۔ مثلاً افغانستان میں امریکہ نے طالبان کی حکومت گرائی اور قبضہ کر لیا۔ اسی طرح عراق میں صدام حسین کی حکومت کا خاتمہ کر کے امریکہ قابض ہو گیا اور وہاں اس نے اپنے کٹھ پتلی حکمران عوام پر مسلط کر دیئے' تا کہ وہ اس کے اشاروں پر ناچیں' ان کی مرضی اور ہدایات کے مطابق عمل کریں۔ اس کے خلاف ردّ عمل انسان کے فطری جذبۂ حریت کے باعث ہوتا ہے۔ وہاں کے عوام کا حق ہے کہ وہ اس قبضے کے خلاف جدوجہد کریں۔ چنانچہ عراق اور افغانستان میں امریکی تسلط کے خلاف شدید ردّ عمل کا اظہار ہو رہا ہے' حالانکہ اس میں ایک برائی اور شر کا پہلو بھی ہے کہ مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے' عراقی عراقیوں کو مار رہے ہیں۔ اگر ایک امریکی مرتا ہے تو دس عراقی مرتے ہیں۔ عراقی حریت پسند کن لوگوں کو مار رہے ہیں؟ ان کا نشانہ دراصل وہ لوگ ہیں جو کٹھ پتلی حکمرانوں کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں' جو اُن کی فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں' جو اُن کی پولیس کا حصہ بن کر عوام پر حملے کرتے ہیں اور اس طرح گویا وہ امریکی غلامی کو تحفظ دینا چاہتے ہیں۔

یہی معاملہ افغانستان کا ہے۔ افغانستان میں امریکیوں کے ساتھ ساتھ افغان فوج کے لوگ بھی مارے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ بھی تو مسلمان ہیں۔ لیکن طالبان دیکھ رہے ہیں کہ ملک پر اصل قبضہ امریکہ کا ہے' حامد کرزئی تو ایک مہرہ ہے' اس کی حیثیت امریکہ کے ہاتھ میں کھیلنے والی ایک کٹھ پتلی (puppet) کے سوا کچھ نہیں' لہٰذا اُس کے خلاف مزاحمت ضروری ہے۔ الغرض غاصب طاقت کے خلاف ردّ عمل کا فطری جذبہ بھی دہشت گردی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کی کارروائیوں کا خاطر خواہ نتیجہ نکلنے کا امکان کم ہے' اس لیے کہ دوسری طرف بڑی طاقت سے معرکہ درپیش ہے۔ لیکن ؎

مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف کیا
اتنا تو ہو کہ باندھنے پائے نہ دست و پا

ابھی پچھلے دنوں عراق میں ۳۵ کے قریب امریکی فوجی مارے گئے۔ ۱۴ کی تو کل کی خبر تھی۔ آئے روز خبریں آتی ہیں کہ امریکی مارے جا رہے ہیں' حالانکہ یہ چوٹی کے تربیت یافتہ فوجی ہیں۔ ان کی ہلاکت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عراق میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ان ہلاکتوں کے پیشِ نظر امریکی عوام کے اندر جنگ مخالف احساسات پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ سوچ رہے ہیں کہ ہماری فوج واپس بلائی جانی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی صدر بش بار بار کہہ رہا ہے کہ ہم فوج واپس نہیں بلائیں گے' ہمارا بڑا اونچا مشن ہے' ہم عراق میں جمہوریت کا نظام قائم کرنے جا رہے ہیں' ہم وہاں انسانی حقوق کی بحالی چاہتے ہیں۔ حالانکہ اسے کس طرح جمہوریت اور انسانی حقوق کی بحالی کا مشن قرار دیا جا سکتا ہے' جبکہ امریکہ نے اپنے تباہ کن اسلحہ اور ڈیزی کٹر بموں سے ایک لاکھ سے زیادہ عراقیوں کو قتل کیا ہے۔ جنگ سے پہلے کئی سال تک عراق پر پابندیاں عائد کیے رکھیں۔ چنانچہ عراقی حکومت مناسب ادویات' غذا اور دودھ وغیرہ درآمد نہیں کر سکی جس کی وجہ سے دس لاکھ عراقی بچے موت کے مُنہ میں چلے گئے۔

القاعدہ کی دہشت گردی

یہ ایک خاص قسم کی دہشت گردی ہے جو خود امریکہ کی پیدا کردہ ہے۔ اس کے پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ ۱۹۷۹ء میں جب روسی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں تب روس اور امریکہ کے درمیان بالکل اس طرح کی دشمنی تھی جیسے سانپ اور نیولے میں ہوتی ہے۔ پچاس سال تک دونوں کے درمیان سرد جنگ (Cold War) جاری رہی۔ یہ جنگ ''کولڈ'' اس لیے رہی کہ دہشت گردی دونوں اطراف سے ہو رہی تھی' امریکہ کی طرف سے بھی اور سوویت یونین کی طرف سے بھی! دونوں کے پاس ایٹم بم تھے۔ اگر جنگ ہو جاتی تو پوری دنیا تباہ ہو جاتی۔ اس لیے دونوں جنگ سے رکے رہے اور ''سرد'' جنگ ''گرم'' جنگ میں تبدیل نہ ہوئی۔ اس دوران چھوٹے ملکوں کو کچھ ریلیف مل گئی تھی' کیونکہ کسی ملک پر اگر امریکہ زیادتی کرتا تو وہ روس کی طرف جھکاؤ کر لیتا تھا اور اگر کسی ملک پر روس زیادتی کی کوشش کرتا تو اس کا

امریکہ کی طرف جھکاؤ ہو جاتا۔ اس طرح چھوٹے ممالک کو دونوں میں سے کسی ایک بڑی طاقت کی پشت پناہی حاصل ہو جاتی تھی اور دونوں طاقتیں چھوٹے ملکوں پر ظلم کرنے سے باز رہتی تھیں۔

سوویت یونین جو امریکہ کا حریف تھا' اس نے افغانستان پر حملہ کیا لیکن وہ وہاں پھنس گیا۔ اسے افغان قوم کی نفسیات کا اندازہ نہیں تھا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ افغان قوم کبھی غلام نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے تین مرتبہ افغانستان کو فتح کیا لیکن اس پر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ سکے' کیونکہ تینوں مرتبہ استعماری قبضہ کے خلاف سخت ردّعمل اور مزاحمت ہوئی اور انگریزوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ یہی بات برطانوی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر نے روس افغان جنگ کے دوران پاک افغان بارڈر پر ایک تقریر کے دوران کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا:

"We learnt our lesson and Russians will also soon learn their lesson."

یعنی ہم نے تو افغانوں سے سبق سیکھ لیا تھا کہ تین مرتبہ افغانستان کو شکست دینے کے بعد خود شکست کھائی اور ہمیں بھاگنا پڑا۔ اب روسیوں کو بھی جلد یہ سبق مل جائے گا۔ افغان جہاد کی امریکہ نے پشت پناہی کی' جس سے اس کا مقصد اپنے روایتی حریف سوویت یونین کا خاتمہ کرنا تھا۔ وہ ویت نام میں اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا' جہاں سے اسے دم دبا کر بھاگنا پڑا تھا۔ اس مقصد کے لیے اسے رضاکاروں کی ضرورت تھی۔ اس نے افغانستان کے غیور اور دلیر مسلمانوں کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ افغان عوام اپنے مقصد آزادی کے لیے جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ اپنے مفاد میں اپنے ملک کو روسی استعمار کے قبضے سے نجات دلانے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ یہ امریکہ کے لیے روس سے بدلہ لینے کا بہترین موقع تھا۔ اسے معلوم تھا کہ افغان عوام مرنے کے لیے تیار ہیں۔ لہٰذا امریکہ نے پورا داؤ لگایا' کروڑوں' بلکہ اربوں ڈالر دیے گئے۔ اُن دنوں ڈالروں کے سوٹ کیس بھرے ہوئے آتے تھے اور پاکستان کے ذریعے

افغانستان جاتے تھے۔ پاکستان کے فوجی جرنیل اور آئی ایس آئی سے وابستہ لوگ اس خطیر رقم سے اپنا ''حصہ'' کاٹ کر باقی وہاں بھیج دیتے تھے۔ ہمارے جرنیل جو اب سیاست دان بن گئے ہیں اُن کا پیسہ اُسی دَور کی دولت ہے۔ چونکہ پیسہ پاکستان کے ذریعے جاتا تھا لہٰذا ہم نے بھی بہتے دریا میں اپنے ہاتھ دھوئے۔

امریکہ نے محسوس کیا کہ افغان مجاہدین کے علاوہ اسے ابھی مزید رضا کاروں کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے امریکی خفیہ ایجنسی CIA نے تین آدمیوں کو اپنا ایجنٹ بنایا۔ سعودی عرب سے اسامہ بن لادن، مصر سے عمر عبدالرحمٰن اور فلسطین سے عبداللہ عزام۔ یہ تین آدمی اگرچہ اپنے اعلیٰ مقصد کے لیے کام کر رہے تھے، افغان اپنی آزادی کے لیے لڑ رہے تھے، لیکن امریکہ نے انہیں روس کو شکست دینے کے لیے استعمال کر لیا۔ میں اُن کی نیت پر شک نہیں کر رہا ہوں۔ وہ اس خیال سے جدوجہد کر رہے تھے کہ اگر افغانستان سے روس نکل جائے اور یہ جہادی قوتیں جو اِس وقت وہاں برسرِپیکار ہیں، کامیاب ہو جائیں تو وہاں اسلامی نظام قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے عرب ممالک میں اس جہاد کا ڈھنڈورا پیٹا، جس کے نتیجے میں وہاں سے لاکھوں رضا کار افغانستان پہنچ گئے اور افغان مجاہدین کے شانہ بشانہ جہاد میں مشغول ہو گئے۔ اس جہاد نے روس کو افغانستان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد عرب ممالک سے آئے ہوئے مجاہدین کا کردار ختم ہو گیا اور اب وہاں آپس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی، جس کے نتیجہ میں اتنی تباہی ہوئی کہ روسیوں کے ہاتھوں بھی نہیں ہوئی تھی۔ حکمت یار اور اُس کے مدّ مقابل دھڑوں کے درمیان جنگ کے نتیجہ میں کابل تباہ و برباد ہو گیا۔ ان حالات میں یہ لوگ مخمصے میں پھنسے سوچ رہے تھے کہ کس کا ساتھ دیں، تو انہوں نے وہاں اپنے علیحدہ کیمپ بنا لیے۔ بیس کیمپ کو عربی میں قاعدہ کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے قاعدے (Base) علیحدہ بنا لیے، کچھ لوگ تو ''نیوٹرل'' رہے، کچھ دوسروں نے جو بھی حکومت انہیں بہتر لگی اس کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد یہ خانہ جنگی انتہا کو پہنچ گئی۔ جنگی سرداروں (War Lords) نے اپنے اپنے

علاقے متعین کر لیے۔ ان علاقوں کے درمیان سرحدوں پر چوکیاں قائم کر دی گئیں اور آنے جانے والوں سے ٹیکس وصول کیا جانے لگا۔ بات اس حد تک بڑھ گئی کہ ان کی حدود سے گزرنے والی بسوں سے خوبصورت عورتوں اور لڑکوں کو اُتار لیا جانے لگا۔ نتیجتاً عوام میں اس کے خلاف شدید ردّعمل پیدا ہوا۔ اُس وقت ملا عمر جنہوں نے جہاد میں حصہ لیا تھا اور اس دوران ان کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوئی تھی' وہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ جو ہمارے ہاں طوائف الملوکی کا دَور دَورہ ہے' تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھاٹک لگے ہوئے ہیں اور پھاٹکوں سے گزرتے ہوئے آپ محصول دیتے ہیں' یہاں تک کہ عورتیں اٹھالی جانے لگی ہیں' اس انارکی کے خلاف جدوجہد کی جائے۔ لوگوں نے ان کا ساتھ دیا' کیونکہ لوگ اس صورتحال سے تنگ آ گئے تھے۔ بہت سے لوگوں نے اپنے ہتھیار اُن کے حوالے کر دیے اور سرنڈر کر دیا۔ اس طرح بہت جلد اُن کا افغانستان کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ ہو گیا۔ ملا عمر کی اس جدوجہد میں بھی امریکہ نے ان کی مدد کی۔ یہ سب کچھ بے نظیر کے دور حکومت میں نصیر اللہ بابر کے ذریعے ہوا۔ طالبان کو ڈالرز کے ذریعے مالی سپورٹ ہوئی۔ ان کے سپاہیوں کو ڈالرز میں تنخواہ ملتی تھی۔ ڈالر کہاں سے آتے تھے؟ ظاہر ہے امریکہ سے۔ ان کے رابطے اور کمیونیکیشن کا سارا نظام کوئٹہ میں تھا' کیونکہ ان کا اپنا تو کوئی نظام نہیں تھا۔ ان کے پاس اتنے ٹیکنیشنز ہی نہیں تھے۔ طالبان تو زیادہ تر عربی مدارس کے پڑھے ہوئے لوگ تھے یا ابھی پڑھ ہی رہے تھے جو اُٹھ کھڑے ہوئے۔

طالبان کی پشت پناہی امریکہ اس لیے کر رہا تھا کہ اس کا اندازہ تھا کہ اگر حکمت یار' احمد شاہ مسعود اور صدر ربانی جیسے لوگ افغانستان میں برسر اقتدار آ گئے تو اس کا نتیجہ انتہائی خطرناک ہوگا۔ یہ جدید تعلیم یافتہ لوگ ہیں۔ حکمت یار اور احمد شاہ مسعود انجینئر ہیں۔ اگر ان لوگوں کی حکومت بن گئی تو ایک بنیاد پرست (Fundamentalist) حکومت قائم ہو جائے گی جو امریکہ کے لیے ''نائٹ میئر'' ہو گی۔ کسی مسلمان ملک میں بنیاد پرستوں کی حکومت قائم ہو جانا جو اسلام کو ایک نظام سمجھیں' امریکہ کیسے

گوارا کر سکتا تھا!

امریکہ کی نظر میں بنیاد پرست مسلمان کون ہیں؟ وہ جو اسلام کو ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے قائم کرنا چاہتے ہیں! کوئی شخص نماز روزہ کرتا ہو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ امریکہ میں بھی وہ کہتے ہیں بھئی تم یہاں آئے' تم نے ہمارے چرچ اور سینگاگز خریدے اور مسجدیں بنالیں' ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہمیں تمہارے نماز روزے پر اعتراض نہیں۔ تم روزے رکھتے ہو تو ہم تمہیں وائٹ ہاؤس میں ایک افطاری بھی دیتے ہیں' تمہاری عیدیں آتی ہیں تو ہم یادگاری ٹکٹ بھی شائع کر دیتے ہیں۔ اسلام کے مذہبی پہلو سے ہمیں کوئی دشمنی نہیں ہے' لیکن اسلام کا سیاسی' معاشی اور سماجی نظام ہم کسی صورت قائم نہیں ہونے دیں گے۔ بہرحال امریکہ نے خیال کیا کہ حکمت یار اور احمد شاہ مسعود کے برعکس طالبان بے چارے تو مولوی ہیں' انہیں ہم جس طرح چاہیں گے استعمال کر لیں گے۔ جیسے سعودی عرب ہماری جیب کے اندر پڑا ہوا ہے اسی طرح یہ بھی ہماری کٹھ پتلی بن جائیں گے۔ لیکن وہاں معاملہ الٹا ہو گیا۔ کٹھ پتلی بننے کے بجائے طالبان نے اسلامی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا اور اسلامی سزائیں نافذ کر دیں' جس کے نتیجے میں نوے پچانوے فیصد علاقہ طالبان کے زیر اثر آ گیا۔ افغانستان میں ایسا امن قائم ہوا کہ مشرق سے مغرب تک چاہے کوئی عورت چلی جائے اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا تھا۔ جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ کوئی سوار صنعاء سے حضرموت تک چلا جائے گا اور اسے خدا کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوگا۔ اس امن و امان کی بنیادی وجہ اسلامی سزاؤں اور قصاص کا نفاذ تھا۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے کسی کو خنجر گھونپ کر مارا ہوتا تو مقتول کی بیوی کے ہاتھ میں خنجر دے دیا جاتا اور قاتل کو زمین پر لٹا دیا جاتا کہ اب تم لوگوں کے سامنے اس کے سینے کے اندر خنجر گھونپو۔ ٹھٹ کے ٹھٹ لوگ دیکھ رہے تھے کہ قصاص ہو رہا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ان حالات میں جرم کیسے ہو سکتے تھے! کون کسی کو قتل کرنے کی جرأت کر سکتا تھا! الغرض افغانستان میں اتنا امن و امان قائم ہو گیا کہ چوری' ڈاکہ' قتل و غارت گری اور دیگر جرائم ختم ہو گئے۔

یہاں تک کہ اس کی گواہی ایک معروف سیکولر دانشور جسٹس جاوید اقبال نے بھی دی۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے برملا کہا کہ میں افغانستان میں ہفتہ عشرہ رہ کر آیا ہوں' میں کابل میں جو حالات دیکھ کر آیا ہوں ویسے حالات چند اور مسلمان ملکوں میں پیدا ہو جائیں تو پوری دنیا مسلمان ہو جائے۔

امریکی پالیسی سازوں نے خیال کیا کہ ہمارا داؤ پھر الٹا پڑ گیا۔ ہم نے مجاہدین کے ذریعے روس کو ختم کرا دیا لیکن وہی ہمارے گلے پڑ گئے تھے۔ اب ان مجاہدین کو ان ''مولویوں'' کے ذریعے ختم کرایا تو یہی ملّا ملانٹے ہمارے گلے کو آ گئے۔ اگر یہ طالبان پورا اسلامی نظام قائم کر دیں تو پوری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔ ابھی تو چند سزائیں نافذ کی گئی ہیں' اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ ابھی وہاں نہ اسلام کا سیاسی نظام نافذ ہوا ہے نہ معاشی نظام پورے طور پر آیا ہے۔ افغانستان میں اسلامی ریاست میں تو گداگری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلامی ریاست تو پورے طور پر قائم نہیں ہوئی تھی' البتہ اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ ریاست اور حکومت میں بڑا فرق ہے۔ ریاست بہت بڑا ادارہ ہے جو کسی ملک کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ حکومت اس کا انتظامی ستون ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جدید جمہوری تصور کے تحت ریاست کے خلاف بغاوت تو بغاوت شمار ہوتی ہے لیکن حکومت کے خلاف بغاوت بغاوت نہیں کہلاتی۔ حکومت کو بدلنے کا اختیار عوام کو حاصل ہوتا ہے' چاہے وہ اسے الیکشن کے ذریعے بدلیں' چاہے ایجی ٹیشن کے ذریعے بدلیں۔ جیسا کہ حال ہی میں یوکرائن میں ہوا ہے کہ عوامی احتجاجی ریلے کے مقابلے میں شیورڈ ناتزے کو معزول ہو کر بھاگنا پڑا۔ وہ جان بچا کر پارلیمنٹ کے پچھلے دروازے سے بھاگا ہے۔ وہاں کوئی جنگ تو نہیں ہوئی تھی' عوام کے احتجاجی ریلے نے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پھر یہی کچھ جارجیا میں' کرغیزستان میں اور لاطینی امریکہ کے کئی ممالک میں ہو گیا۔

طالبان کے برسر اقتدار رہنے سے ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہونے کے امکانات پیدا ہو چکے تھے' ایک خالص اسلامی معاشرے اور اسلامی معاشی نظام کے

قیام کی راہ ہموار ہو رہی تھی' لہٰذا امریکہ نے گیارہ ستمبر کے حادثہ (جو اُس نے خود کرایا) کا بہانہ بنا کر افغانستان پر چڑھائی کر دی' حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ یہ کام نہ تو اسامہ بن لادن کے بس کا تھا نہ کسی اور اسلامی تنظیم کے لیے ممکن تھا۔ اصل میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو موساد کے ذریعے سے خود گرایا گیا۔ اس کے پیچھے کارفرما مقصد افغان حکمرانوں کے خلاف نفرت اور جنگی جنون پیدا کرنا تھا۔ چنانچہ اس حادثہ سے پہلے ایک کتاب چھپ چکی تھی ''New Pearl Horbour''۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ہمیں ضرورت ہے کہ ''پرل ہاربر'' جیسا حادثہ ہو' تاکہ امریکی عوام میں غصہ پیدا ہو جائے اور پھر وہ پورے طور پر اسلامی بنیاد پرستوں کے خلاف جنگ کی حمایت کریں۔ پرل ہاربر حادثہ کے بارے میں بہت سے لوگ جانتے ہوں گے۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ ابھی کچھ نیوٹرل تھا' لیکن جاپان نے اس کی بہت بڑی بندرگاہ ''پرل ہاربر'' پر حملہ کر کے بہت سے جہاز ڈبو دیے۔ اس پر امریکہ کو جوش آیا اور وہ پورے غصے اور انتقام کے جذبے کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا۔

طالبان کے استحکام سے جہاں امریکہ میں شدید منفی ردّعمل ہوا' وہاں مختلف مسلم ممالک سے آئے ہوئے مجاہدین کو خوشی اور اطمینان میسر آیا۔ یہ مجاہدین عرب ممالک' صومالیہ' لیبیا' ازبکستان' چیچنیا' ملائشیا اور دوسرے اسلامی ممالک سے آئے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ روسیوں کے خلاف جہاد کے موقع پر ہم نے جو خواب دیکھا تھا اُس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے طالبان کی حمایت کی اور شمالی اتحاد (جو باغی شمار ہوتے تھے) کے خلاف جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ نتیجتاً شمالی اتحاد سکڑنے لگا اور اس کی فورسز پیچھے ہٹنے لگیں' انہیں مسلسل پسپائی ہونے لگی۔

روس کے خلاف افغان جنگ کے خاتمے کے بعد مجاہدین' جو مختلف ممالک سے آئے تھے' یہیں ٹھہر گئے تھے۔ وہ اپنے ممالک کو جا ہی نہیں سکتے تھے۔ سعودی عرب والے اپنے ملک جاتے تو جیل میں ڈال دیے جاتے' کیونکہ سعودی عرب بھی امریکہ کی جیب میں ہے۔ مصری مصر میں جاتے تو فوراً انہیں بھی جیل میں بھیج دیا جاتا' اس لیے کہ

وہاں کا حکمران حسنی مبارک امریکہ کی کٹھ پتلی ہے۔ اُن کے لیے صورت یہ ہوگئی کہ ان کے لیے زمین تنگ ہوگئی۔ اپنے ممالک نے بھی انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجہ میں ان کے اندر شدید غصہ پیدا ہوا اور انہوں نے امریکہ کے خلاف ایک جنگ شروع کر دی' جسے بعض پہلوؤں سے گوریلا جنگ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی گوریلا جنگ کو آج دنیا میں عام طور پر دہشت گردی کے نام سے یاد کیا جا رہا ہے۔ تو یہ ہے وہ دہشت گردی جو القاعدہ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی ہے۔

القاعدہ کا نام میں نے پہلی بار بش کی زبان سے سنا تھا۔ القاعدہ کوئی آرگنائزیشن ہے ہی نہیں' وہ تو دراصل امریکی دہشت گردی کا فطری ردّعمل ہے۔ جیسے کوئی بہت چھوٹا بچہ بہت غصے میں آ جائے تو بڑے سے بڑے آدمی سے بھی لڑ پڑتا ہے' اور کچھ نہ کر سکے تو گالیاں تو دیتا ہے' اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اسے مکے بھی مارتا ہے' چاہے اسے معلوم ہو کہ میں ایک بڑے آدمی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرے نزدیک القاعدہ کا طرزِ عمل ایک ''ناراض بچے'' کا ردّعمل ہے۔ چنانچہ انہوں نے مشرقی افریقہ میں دو سفارت خانوں کو تباہ کر دیا جس سے سینکڑوں افریقی مارے گئے۔ امریکی تو غالباً دس پندرہ ہی مرے ہوں گے۔ تو حاصل کیا ہوا؟ ہاتھی کو چاقو مارا جائے تو اسے پتا بھی نہیں چلے گا کہ کیا ہوا ہے۔ اِس وقت امریکہ کی حیثیت نشے میں بدمست ہاتھی کی ہے۔ اس لیے کہ اب دو قطبی (bi-polar) دنیا نہیں رہی۔ یک قطبی نظام میں امریکہ جو چاہے کرے' اسے نہ U.N.O کا لحاظ ہے نہ خود اپنے اتحادیوں کی پروا ہے۔

جہاد کشمیر پر حکومتی موقف کی تبدیلی کا ردّعمل

چوتھی دہشت گردی جو اِس وقت دنیا میں ہو رہی ہے اس کا تعلق جہادِ کشمیر سے ہے۔ جیسے امریکہ نے جہادِ افغانستان کی پشت پناہی کی تھی اسی طرح پاکستان نے جہاد کشمیر کی پشت پناہی کی۔ پاکستان نے خیال کیا کہ جیسے ہمارے مجاہدین نے افغانستان سے روسیوں کو بھگا دیا اُسی طرح بھارت کو بھی کشمیر سے نکال دیں گے۔ چنانچہ آئی ایس آئی کشمیر جانے والوں کو ٹریننگ بھی دیتی رہی اور اُن کے لیے اسلحہ بھی فراہم کرتی

رہی۔ یہاں سے لوگ کشمیر بھیجے جاتے رہے۔ ہندوستان اسے دراندازی قرار دیتا رہا ہے۔ پھر حالات نے کروٹ لی تو جس جدوجہد حریت کو ہم نے خود support کیا' دباؤ پڑنے پر ہم نے ایک دم ''یوٹرن'' لے لیا' جیسے افغانستان میں ''یوٹرن'' لیا گیا تھا' حالانکہ افغانستان کی طالبان حکومت کو ہم نے تسلیم کر رکھا تھا اور اُن کے سفیر ملاعبدالسلام ضعیف ابھی تک اسلام آباد میں موجود تھے۔ اسی طرح کا یوٹرن ہم نے کشمیر کے مسئلہ پر لیا ہے اور برملا کہنے لگے ہیں کہ کشمیر کا جہاد' جہاد نہیں ہے' یہ فساد ہے' جنگ تو صرف حکومت کی اجازت سے ہوسکتی ہے۔ چنانچہ جہادی تنظیموں پر پابندی لگائی جانے لگی۔ اس پابندی سے ان کے اندر ردّعمل نے جنم لیا ہے۔ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ حکومت نے اس معاملہ میں ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ چنانچہ جس طرح امریکہ اور اس کے کٹھ پتلی حکمرانوں کے خلاف حملے ہوتے ہیں اسی طرح پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز پر قاتلانہ حملے ہوئے۔

نیوز ویک میں ایک مضمون میں یہ بات کہی گئی ہے کہ امریکہ پاکستان سے مطمئن نہیں ہے' کیونکہ پاکستان کو دہشت گردوں کے خلاف جتنا کام کرنا چاہیے تھا اس نے اتنا کام نہیں کیا ہے اور پاکستان کو طالبان کے خلاف جتنے اقدامات کرنے چاہئیں تھے وہ نہیں کیے گئے۔ ان کا الزام ہے کہ افغان مہاجرین کے کیمپوں میں طالبان بھی موجود ہیں اور حکومت پاکستان ان کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے رہی ہے۔ یہ مشرف صاحب کے خلاف امریکہ کی چارج شیٹ ہے' لہٰذا انہیں اس کی خوشنودی کے لیے اور زیادہ ایکشن لینا ہے تاکہ اپنا کھونٹا مضبوط رکھ سکیں۔ اس اعتبار سے اب جنہیں نشانہ بنایا جارہا ہے وہ جوابی کارروائی کرنے پر مجبور ہیں۔ جیسے جیسے امریکہ کا دباؤ بڑھ رہا ہے حکومت کی طرف سے کارروائیوں میں شدت آرہی ہے۔ جن جماعتوں کو کالعدم قرار دے کر اُن پر پابندی عائد کردی گئی ہے ان کے ہزاروں کارکن موجود ہیں جن کے جذبات ایسی کارروائیوں سے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ آپ نے پہلے انہیں استعمال کیا اور اب یہ کیا ہورہا ہے؟ اب کشمیر میں پاکستانی مجاہدین پھنس گئے ہیں

اور کشمیری مجاہدین کے بارے میں آپ روزانہ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ اگر دو بھارتی مرتے ہیں تو بیس مجاہد شہید ہوتے ہیں۔ آئے روز خبریں آتی ہیں کہ فلاں کمانڈر شہید ہو گیا ہے' اس لیے کہ پاکستان کی طرف سے جو پشت پناہی تھی وہ ختم ہو گئی اور اس کے بغیر تو ایسا کوئی کام ہو نہیں سکتا۔ افغانستان میں اگر امریکہ کا اسلحہ نہ ہوتا تو مجاہدین روس کو شکست نہیں دے سکتے تھے۔ اگر سٹنگر میزائل نہ آتا تو کوئی صورت نہیں تھی کہ روس وہاں سے نکل جاتا۔ اس کے پاس بڑے زبردست جنگی ہیلی کاپٹرز تھے' لیکن ان ہیلی کاپٹرز کے لیے سٹنگر میزائل موت کا پیغام بن گیا جو اُن کا تعاقب کر کے انہیں نشانہ بنا لیتا تھا۔

جہاد کشمیر کے بارے میں میرا موقف ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ یہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' نہیں ہے' بلکہ ''جہاد فی سبیل الحریت'' ہے۔ وہاں کے لوگ اپنے حق خود اختیاری کے لیے لڑ رہے ہیں اور اس کا انہیں حق ہے۔ بہتر یہ تھا کہ وہ حق خود ارادی کے لیے سیاسی تحریک چلاتے۔ ہندوستان بہت بڑی طاقت ہے۔ ہمارے سابق آرمی چیف جنرل اسلم بیگ صاحب نے آج سے دس سال پہلے کہا تھا کہ اگر بھارت کشمیر میں اسی طرح پانچ لاکھ فوج ایک عرصے تک برقرار رکھے گا تو وہ شکست کھا جائے گا۔ یہ سائنس آف وار کا اصول ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ بھارت نے اس کے بعد کشمیر میں فوج کی تعداد پانچ لاکھ سے بڑھا کر چھ لاکھ کر دی اور پھر مزید بڑھا کر سات لاکھ کر دی' لیکن اسے کوئی شکست نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ اس کے پاس مروانے کے لیے کافی لوگ ہیں' اس کی آبادی تھوڑی نہیں ہے۔ اور اب صورت حال یہ ہے کہ بھارتی فوجیوں کی نسبت مجاہدین بہت زیادہ شہید ہو رہے ہیں۔

مذہبی دہشت گردی

دہشت گردی کی پانچویں قسم مذہبی دہشت گردی کی ہے جو پاکستان میں شیعہ سنی کے مابین بظاہر ہو رہی ہے۔ یہ دہشت گردی دراصل ہمارے ملک کے اندر کی پیداوار نہیں ہے' یہ باہر سے آئی ہے۔ اس لیے کہ آج سے کئی سال پہلے Huntington

نے ''تہذیبوں کا تصادم''(Clash of Civilizations) کے نام سے ایک ضخیم مقالہ لکھا تھا' جس میں اس نے یہ بات کہی تھی کہ تاریخ میں بیس تہذیبیں پیدا ہوئی ہیں' جن میں سے بارہ مر چکی ہیں اور اب دنیا میں آٹھ تہذیبیں باقی ہیں' ایک ہماری مغربی تہذیب اور سات دوسری تہذیبیں ہیں۔ ان سات میں سے پانچ وہ ہیں جن کو ہم آسانی سے اپنے اندر ضم (assimilate) کر سکتے ہیں' لیکن دو تہذیبیں بڑی خطرناک ہیں۔ ایک مسلم تہذیب' جو گویا لوہے کا چنا ہے اور آسانی سے چبایا نہیں جائے گا۔ دوسری چائنا کی کنفیوشسی (Confucian) تہذیب ہے جو آسانی سے ہضم نہیں ہو سکے گی۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہنٹنگٹن نے جو سفارشات پیش کی ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ چائنا کا رُخ مشرق کی طرف کر دیا جائے۔ اگر وہ مغرب کی طرف دیکھے گا تو اسے اسلام نظر آئے گا' اس کا اپنا مغربی علاقہ سنکیانگ مسلم اکثریت کا ہے۔ پھر آگے روسی ترکستان کی جو حکومتیں ہیں وہ مسلمانوں کی ہیں' افغانستان مسلمانوں کا ہے' پاکستان مسلمانوں کا ہے۔ چنانچہ اگر وہ مغرب کی طرف دیکھے گا تو اسے اسلام اور مسلمان دکھائی دیں گے' لہٰذا اسے مشرق کی طرف دکھاؤ! اور مشرق میں کیا ہے؟ بحر الکاہل اور پھر امریکہ۔ چنانچہ ہنٹنگٹن ہی کے مشورے پر وہاں APEC بنایا گیا۔ یعنی (Asia Pacific Economic Cooperation)۔

ہنٹنگٹن نے دوسرا مشورہ یہ دیا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو بھڑکا کر انہیں آپس میں لڑایا جائے۔ چنانچہ ہمارے ہاں کے لوگ جن کے پاس روزگار نہیں ہے ان کو وہ ہائر کرتے ہیں اور ان کے جذبات بھڑکا دیتے ہیں کہ تم سنی ہو' شیعوں کو مارو' شیعہ تو حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ کہتے ہیں' شیعہ تو حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ کہتے ہیں۔ اُدھر سے شیعوں کو اُبھارتے ہیں کہ یہ سنی تو حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو بھی مانتے ہیں' یہ تو حضرت حسینؓ کے ساتھ حضرات عبداللہ ابن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی بھی تعظیم کرتے ہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ بہرحال یہ سب کچھ باہر سے ہو رہا ہے' ورنہ ہمارے عام معاشرے میں شیعہ سنی

کا کوئی clash نہیں ہے۔ دائیں مکان میں شیعہ ہے تو بائیں میں سنی ہے۔ اور کراچی کے فلیٹس میں تو نیچے سنی ہے تو اوپر شیعہ ہے' اوپر سنی ہے تو نیچے شیعہ ہے۔ عوامی سطح پر کوئی conflict نہیں ہے۔ یہ باہر کی جنگ ہے اور موساد اور را کے ذریعے سے یہ دہشت گردی کرائی جارہی ہے۔

رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ اور احوالِ وطن

اب آیئے اپنے وطن عزیز کے حالات کی طرف۔ یہاں بہت خوفناک معاملہ ہے۔ صدر مشرف کچھ عرصے سے باقاعدہ تقریریں کر رہے ہیں کہ روشن خیال' ماڈریٹ لوگ انتہا پسندوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اس سے مراد کیا ہے؟ ایک ملک کا سربراہ گویا کہ سول وار کی دعوت دے رہا ہے۔ یہ سب امریکہ کے اشارے پر ہو رہا ہے' جس کا ثبوت یہ تازہ ترین رپورٹ ہے جو امریکہ کے سب سے بڑے تھنک ٹینک ''رینڈ کارپوریشن'' نے پیش کی ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق مسلمان چار قسم کے ہیں:

(۱) بنیاد پرست مسلمان (Fundamentalists)' یہ وہ ہیں کہ جو اسلام کو مکمل نظامِ زندگی سمجھتے ہیں' یعنی اسلام کے سیاسی نظام' معاشی نظام اور معاشرتی نظام کے قیام کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ ہمارے اولین دشمن ہیں' ان کو ہم نے ہر صورت ختم کرنا ہے۔

(۲) قدامت پسند مسلمان (Traditionalists)' جنہیں بس قال اللہ و قال الرسول سے دلچسپی ہے' مدرسوں اور مسجدوں میں بیٹھے ہیں۔ یہ فی نفسہٖ تو خطرناک نہیں ہیں لیکن اگر یہ بنیاد پرستوں کے ساتھ مل جائیں تو پھر بہت بڑی فورس ہیں۔ اس لیے کہ ان کے پاس مسجدیں ہیں' ہر جمعہ کو اجتماع جمعہ ہو رہا ہے۔ مسلمان نہا دھو کر کپڑے بدل کر آتے ہیں اور یہاں بیٹھ کر وعظ سنتے ہیں۔ اگر یہ قدامت پسند بنیاد پرستوں کے ساتھ مل جائیں تو پھر بہت خطرناک معاملہ ہو جائے گا' اس لیے انہیں ایک دوسرے سے دور رکھا جائے۔

(۳) ماڈرنسٹ (Modernists)' جو اسلام کا ایک ایسا ایڈیشن تیار کر رہے

ہیں جو ہماری تہذیب کے ساتھ compatible ہے۔ ان کے نزدیک سود حرام نہیں ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اگر کسی کو ذاتی طور پر اس کی ذاتی ضرورت کے لیے سرمایہ دیا جائے اور اس سے سود لیا جائے تو وہ حرام ہے' لیکن وہ سرمایہ جو کاروبار کے لیے دیا جا رہا ہے اس پر سود لینے میں کوئی حرج نہیں' اس لیے کہ سرمایہ دار تو کاروبار کرنے والے کے نفع میں سے اپنا حصہ لے رہا ہے۔ یہ سود نہیں ہے۔ معاذ اللہ!

(۴) سیکولرسٹ (Secularists)' یہ مسلمانوں کا وہ طبقہ ہے جو ہماری ہی طرح مذہب کا سیاست سے اور ریاست سے کوئی تعلق نہیں سمجھتا۔ یہ دونوں مؤخر الذکر طبقے ہمارے ہیں' لہٰذا انہیں آگے لایا جائے' جبکہ بنیاد پرست اور قدامت پرست مسلمانوں کو قریب مت آنے دیا جائے' یہ قریب آ گئے تو بہت بڑا خطرہ بن جائیں گے۔ لہٰذا قدامت پسند طبقات کے مابین جو اختلافات اور تفرقات ہیں' شیعہ سنی' وہابی سنی' دیوبندی بریلوی' ان کو اچھالو اور ان کو ہوا دو' تاکہ یہ اسی میں مشغول رہیں اور بنیاد پرست مسلمانوں کی طرف نہ جا سکیں۔ مغرب کی یہ پالیسی ہے جو اِس وقت دنیا میں چل رہی ہے۔ مشرف صاحب نے اس کو باقاعدہ سٹیٹ پالیسی بنا دیا ہے کہ ماڈریٹ' روشن خیال ان انتہا پسندوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ صدرِ مملکت سول وار (خانہ جنگی) کرانا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے آخری بات یہ کہ بلدیاتی انتخابات کے موقع پر اس قسم کے وعظ کہے جا رہے ہیں کہ مولویوں کو ووٹ مت دو۔ ان بنیاد پرست' تنگ نظروں اور انتہا پسندوں کو ووٹ مت دو۔ اس طرح سرکاری سطح پر ایوانِ صدر سے صریح دھاندلی ہو رہی ہے۔

بہرحال یہ ہے دہشت گردی کی داستان جو آج میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے کہ اس کی کیا قسمیں ہیں اور کیا پس منظر ہے۔ لیکن امریکہ جس کو دہشت گردی کہہ رہا ہے یہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ بقول نعیم صدیقی ؎

گر اک چراغِ حقیقت کو گل کیا تم نے
تو موجِ دود سے صد آفتاب اُبھریں گے!

ظاہر بات ہے ایک نسل کے بعد دوسری' دوسری کے بعد تیسری نسل آگے آئے گی۔ لیبیا میں عمر مختار جب اٹلی کے خلاف جہادِ حریت میں مصروف تھے اور اُن کی جدوجہد شکست سے دوچار ہو رہی تھی تو انہوں نے یہ بات کہی تھی کہ ہم اپنی یہ جدوجہد جاری رکھیں گے' ہمارے بعد اگلی نسل اور اس کے بعد اُس سے اگلی نسل اس جدوجہد کو جاری رکھے گی۔ بہرحال یہ جنگ بڑی طویل ہے اور وہ بھی مان رہے ہیں کہ یہ طویل جنگ ہے۔

موجودہ حالات میں پاکستانی مسلمانوں کے لیے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ تمام دینی قوتیں' جنہوں نے جہاد کشمیر میں حصہ لیا یا جہاد افغانستان میں حصہ لیا' انہیں جمع ہو کر ایک منظم عوامی تحریک کے ذریعے یہاں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کرنا چاہیے۔ اگر ہم یہاں اسلام کا نظامِ عدل اجتماعی قائم کر دیں تو یہ سارا باطل ایسے پگھل جائے گا جیسے دھوپ میں برف پگھل جاتی ہے یا جیسے اندھیرا ختم ہو جاتا ہے جب روشنی آ جائے۔ اس لیے کہ اسلام کی روشنی کے سامنے کوئی نظام نہیں ٹھہر سکتا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کا یہ تأثر میں بارہا بیان کر چکا ہوں۔ جب وہ طالبان حکومت کا نظام دیکھ کر آئے تو کہا تھا کہ جو حالات میں نے کابل میں دیکھے ہیں اگر چند اور اسلامی ممالک میں ایسا نظام قائم ہو جائے تو پوری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔ یہ بہرحال ہونا ہے' کیونکہ حضور ﷺ کی واضح پیشین گوئیاں ہیں کہ قیامت سے قبل پوری دنیا میں اسلام غالب ہوگا۔ لیکن اس کے لیے جانیں دینی ہوں گی' قربانیاں دینی ہوں گی۔ اس کے لیے ہم میں سے ہر ایک کو تیار ہو جانا چاہیے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

فساد فی الارض

تحریر: عتیق الرحمٰن صدیقی

فساد عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی خرابی، بگاڑ، شرارت، ناچاقی، قطع تعلقی اور نقصان کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں لفظ فساد کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''اس کے معنی کسی چیز کے حدّ اعتدال سے تجاوز کر جانے کے ہیں عام اس سے کہ وہ تجاوز کم ہو یا زیادہ۔ یہ اصل میں صلاح کی ضد ہے اور نفس، بدن اور ہر اُس چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو حالت استقامت سے نکل چکی ہو اور اَفْسَدَہٗ کے معنی کسی چیز کا توازن بگاڑنے کے ہیں''۔ (مفردات القرآن، جلد دوم)

یہ لفظ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے:

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ حَقُّ اَهْوَآءَ هُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (المؤمنون)

''اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا ضلب ۶۵' انظام درہم برہم ہو جاتا۔''

﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (الانبیاء: ۲۲)

''اگر آسمان اور زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین و آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔''

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ

الَّذِیْ عَمِلُوْا .....﴾(الروم: ٤١)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھ کی کمائی سے' تا کہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا۔''

﴿وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾﴾ (البقرة)

''جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے' کھیتوں کو غارت کرے اور نسلِ انسانی کو تباہ کرے' حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔''

﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً﴾ (النمل: ٣٤)

''ملکہ نے کہا: بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔''

﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾ (البقرة)

''جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں۔''

ان آیاتِ کریمہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ فساد فی الارض قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب نظامِ حق کو بگاڑنا یا اس کو بگاڑنے کی کوشش کرنا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس کی دعوت انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں اور جو اللہ کے احکام و قوانین کی اطاعت اور اس کی عبادت پر مبنی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''جس طرح اس کائنات کا نظامِ تکوینی اس وجہ سے قائم ہے کہ اس کے اندر ایک ہی ربّ قدیر و قہار کا ارادہ کارفرما ہے' اگر اس کے اندر کسی اور کا زور و اختیار بھی چلتا ہوتا تو یہ آن کی آن میں درہم برہم ہو کر رہ جاتا' اسی طرح اس کے نظامِ تشریعی کے اندر کسی اور کی عبادت و اطاعت کے جواز یا دخل کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مزاج بالکل

ہی بگڑ کے رہ جاتا ہے اور یہ بگاڑ سارے نظامِ تمدن کو خراب کر کے رکھ دیتا ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ کوشش قرآن کے نزدیک فساد فی الارض کے حکم میں داخل ہے جو اس بگاڑ کا دروازہ کھولے اگرچہ یہ کوشش بظاہر نیک ارادہ ہی کے ساتھ کیوں نہ کی جائے۔'' (تدبر قرآن)

سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا﴾ (آیت ۵۶) ''زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے''۔ آیت کے اس ٹکڑے کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''زمین میں فساد برپا نہ کرو'' یعنی زمین کے انتظام کو خراب نہ کرو۔ انسان کا خدا کی بندگی سے نکل کر اپنے نفس کی یا دوسروں کی بندگی اختیار کرنا اور خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے اخلاق، معاشرت اور تمدن کو ایسے اصول و قوانین پر قائم کرنا جو خدا کے سوا کسی اور کی رہنمائی سے ماخوذ ہوں، یہی وہ بنیادی فساد ہے جس سے زمین کے انتظام میں خرابی کی بے شمار صورتیں رونما ہوتی ہیں اور اسی فساد کو روکنا قرآن کا مقصود ہے۔ پھر اس کے ساتھ قرآن اس حقیقت پر بھی متنبہ کرتا ہے کہ زمین کے انتظام میں اصل چیز فساد نہیں ہے جس پر صلاح عارض ہوئی بلکہ اصل چیز صلاح ہے جس پر فساد محض انسان کی جہالت اور سرکشی سے عارض ہوتا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر یہاں انسان کی زندگی کی ابتداء جہالت و وحشت اور شرک و بغاوت اور اخلاقی بدنظمی سے نہیں ہوئی ہے جس کو دور کرنے کے بعد بتدریج اصلاحات کی گئی ہوں، بلکہ فی الحقیقت انسانی زندگی کا آغاز صلاح سے ہوا ہے اور بعد میں اس درست نظام کو غلط کار انسان اپنی حماقتوں اور شرارتوں سے خراب کرتے رہے ہیں۔ اسی فساد کو مٹانے اور نظامِ حیات کو از سرِ نو درست کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبر بھیجتا رہا ہے اور انہوں نے ہر زمانے میں انسان کو یہی دعوت دی ہے کہ زمین کا انتظام جس صلاح پر قائم کیا گیا تھا اس میں فساد کرنے سے باز آؤ''۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم)

مزید لکھتے ہیں کہ:

''جس چیز کو فساد سے تعبیر کیا گیا ہے وہ دراصل یہی ہے کہ انسان خدا کے بجائے کسی اور کو اپنا ولی و سرپرست اور کارساز قرار دے کر مدد کے لیے پکارے اور اصلاح اس کے سوا کسی دوسری چیز کا نام نہیں ہے کہ انسان کی پکار کا مرجع پھر سے اللہ کی ذات ہو جائے ..... فلاح و سعادت کو پہنچ سکتے ہو تو صرف اس کی مدد اور رہنمائی سے۔ ورنہ

جہاں تم اس کی اعانت سے محروم ہوئے پھر تمہارے لیے تباہی و نامرادی کے سوا کوئی دوسرا انجام نہیں''۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بعض لوگ مصلح اور خیر خواہ کے روپ میں جلوہ نما ہوتے ہیں۔ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دوسروں کا دِل موہ لینے کی کوشش کرتے ہیں' اپنی چرب زبانی سے اور خوش گفتاری سے ایک طرف اپنے بودے پن اور عملی کمزوریوں کو چھپانے کی سعی کرتے ہیں اور دوسری طرف مخاطبین کی کریم النفسی سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے دامِ تزویر میں پھانسنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ''یہ لکڑی کے کندوں کی مانند ہیں جن کو ٹیک لگا دی گئی ہو۔ یہ ہر خطرے کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں۔ اصلی دشمن یہی ہیں'' (المنافقون) اور جب انہیں اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو ان کی ساری دوڑ دھوپ زمین میں فساد پھیلانے پر مرکوز ہوتی ہے' حالانکہ زمین کے امن اور عدل کا انحصار اس بات پر ہے کہ اللہ کے بندے اللہ ہی کی بندگی اور اس کی اطاعت میں داخل ہو جائیں۔ ان کا رویہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر کا سا نہ ہو کہ اللہ کی اطاعت کا دم بھی بھریں اور عملاً اس سے انحراف بھی کریں اور شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں اور اللہ کے احکامات کا مضحکہ اڑائیں۔ ایسے لوگ اپنے طرزِ عمل سے زمین میں فساد کو ہوا دے رہے ہوتے ہیں جس کا نتیجہ انسانیت کی تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سباء کے نام ایک خط لکھتے ہیں تو وہ اس خط کے مندرجات کی روشنی میں سردارانِ قوم سے مشورہ طلب کرتی ہے' اس موقع پر ملکہ ان سے کہتی ہے کہ ''بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب اور اس کے عزت داروں کو ذلیل کر دیتے ہیں''۔ صاحب تفہیم القرآن اس جملے کی توضیح ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''اس ایک فقرے میں امپیریلزم اور اس کے اثرات و نتائج پر مکمل تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ بادشاہوں کی ملک گیری اور فاتح قوموں کی دوسری قوموں پر دست درازی کبھی اصلاح اور خیر خواہی کے لیے نہیں ہوتی۔ اس کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ دوسری قوم کو خدا نے جو رزق دیا ہے اور جو وسائل و ذرائع عطا کیے ہیں ان سے وہ خود متمتع ہوں اور اس قوم کو اتنا بے بس کر دیں کہ وہ کبھی ان کے مقابلے میں سر اٹھا کر اپنا حصہ نہ مانگ سکے۔ اس غرض کے لیے وہ اس کی خوشحالی اور طاقت و عزت کے تمام ذرائع ختم کر دیتے ہیں۔ اس کے جن لوگوں میں بھی اپنی خودی کا دم داعیہ ہوتا ہے انہیں کچل کر

رکھ دیتے ہیں۔اس کے افراد میں غلامی' خوشامد' ایک دوسرے کی کاٹ' ایک دوسرے کی جاسوسی' فاتح کی نقالی' اپنی تہذیب کی تحقیر' فاتح تہذیب کی تعظیم اور ایسے ہی دوسرے کمینہ اوصاف پیدا کر دیتے ہیں اور انہیں بتدریج اس بات کا خوگر بنا دیتے ہیں کہ وہ اپنی کسی مقدس سے مقدس چیز کو بھی بیچ دینے میں تأمل نہ کریں اور اجرت پر ہر ذلیل سے ذلیل خدمت انجام دینے کے لیے تیار ہو جائیں''۔

(تفسیر سورۃ النمل' حاشیہ ۳۱)

امپیریلزم اور اس کے اثرات و نتائج پر یہ تبصرہ آج امریکہ اور اس کے حواریوں پر پوری طرح چسپاں ہوتا ہے۔جمہوریت کا بہروپ بھر کر پہلے تو اس نے افغانستان کو تہس نہس کیا' گولہ و بارود سے اسے بھسم کر کے کٹھ پتلی حکومت قائم کی اور پھر جوشِ انتقام میں محض مفروضوں کی بنیاد پر عراق پر بم برسائے اور اس دھرتی کو خون سے لت پت کر دیا۔محض تیل کے چشموں پر قبضہ کرنا مقصود تھا' معدنی ذخائر پر اس کی نظریں مرکوز تھیں۔اب شام و ایران کو اپنے پنجۂ خونیں کا ہدف بنانے کے لیے پر تول رہا ہے۔اسی فساد کی آگ بھڑکانے کے لیے اسے ایمان کے دعوے دار حکمرانوں کی حمایت بھی میسر آ گئی ہے۔نام نہاد دہشت گردی کے نام پر اس نے پوری دنیا میں ایک دہشت بپا کر رکھی ہے۔تمام مفسدوں کی قیادت و سیادت اس کے ہاتھ میں ہے۔شیاطین کے اس سپہ سالار کو اگر کوئی خطرہ ہے تو صرف اُمت مسلمہ سے ہے جس کی خاکستر میں شرارِ آرزو ہمیشہ موجود رہا۔اشکِ سحر گاہی سے وضو کرنے والے مجاہدوں کی خبر پا کر وہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

اہل ایمان کو ہرگز یہ نہ بھولنا چاہیے کہ نظامِ حق کو بگاڑنے کی کوشش ہی اصل فساد ہے۔آج امریکہ نے اسی کام کے لیے منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور انہیں اس کا آلۂ کار بننے کی سزا مل رہی ہے۔انہیں سوچنا چاہیے کہ بحر و بر میں فتنہ و فساد کے شعلے کیوں بھڑک رہے ہیں' امن و چین کیوں رخصت ہو چکا ہے! قرآن اس کا سبب یہ بیان کرتا ہے کہ ان کے کرتوتوں کے باعث زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔انہیں خدا فراموشی اور نوامیسِ فطرت سے سرتابی اور اسلام کے پیش کردہ نظامِ زندگی سے روگردانی کی سزا ملتی ہے۔ان پر ظالم' سفاک اور فساق و فجار لوگ مسلط ہو جاتے ہیں۔وہ نہ صرف اس کے وسائل اور ذرائع معیشت پر قابض ہو جاتے ہیں بلکہ کفر و شرک کی عفونت پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔oo

ریاست اسرائیل اور بنی اسرائیل سے متعلق ناگزیر حقائق

تحریر: انجینئر مختار حسین فاروقی ☆

ملکی سیاست میں موجودہ حکومت کے دور میں ذرا کھل کر اسرائیل سے روابط کی بات چل رہی ہے اور اس کی خبریں قومی پریس کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ حالیہ خبروں کے مطابق ترکی میں پاکستان اور اسرائیل کے درمیان اعلیٰ سطحی ملاقات اور اس پر صدر پاکستان جناب پرویز مشرف صاحب کے تبصرے اور حالیہ دورہ امریکہ میں اس سے کہیں آگے بڑھ کر روابط کے شواہد پریس میں آ چکے ہیں۔ جناب چوہدری شجاعت صاحب نے ان روابط کو اہل کتاب سے رشتوں کی بات سے جوڑ دیا ہے۔ ایک آزاد نظریاتی ملک کی کسی دوسرے ملک کو تسلیم کرنے کی شروعات کی بات ہو یا رشتے کی ہو (جو اس تحریر کا موضوع بحث نہیں) یہ بات ہر شخص کے نزدیک طے ہے اور common sense کی ہے کہ دونوں صورتوں میں فریقین کا ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ جاننا از حد ضروری ہے۔ لہٰذا درج ذیل سطور میں پاکستان کے باشعور طبقہ اور قومی پریس کے قارئین کے لیے اسرائیل سے متعلق چند حقائق جمع کر دیے گئے ہیں تاکہ ہمارے حکمران بھی علیٰ وجہ البصیرت فیصلے کر سکیں اور ہمارے دانشور حضرات، علماء کرام اور عوام بھی جو کچھ تنقید کریں، حقائق کو پیش نظر رکھ کر کریں۔

ان سطور میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ صرف حقائق جاننے (fact finding) کے لیے ہے۔ اگر کوئی صاحب علم دلیل کے ساتھ کسی غلطی پر توجہ دلائیں گے تو ان کا احسان ہوگا۔

☆ صدر، انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

ان سطور سے بنی اسرائیل یعنی یہود اور Jews کی disgrace مقصود نہیں ہے، وہ بھی اگر کسی بات کو خلافِ حقیقت پائیں تو ضرور توجہ دلائیں۔ ان شاء اللہ صحیح موقف کو تسلیم کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔

(نوٹ: اس مختصر اشاراتی تحریر میں حوالہ جات اور متعلقہ کتابوں کے اقتباسات شامل نہیں کیے جا سکتے تھے۔ یہ یقین رہے کہ تمام حقائق معقول کتب کے حوالہ جات کے ساتھ محفوظ ہیں۔)

سطورِ ذیل میں جو باتیں پیش کی جا رہی ہیں وہ آسانی کے لیے تین حصوں میں علیحدہ عنوانات کے تحت درج کی گئی ہیں تاکہ سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ اور وہ تین عنوانات یہ ہیں:

(i) بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی تاریخ

(ii) عہدِ حاضر میں ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے اسرائیل کا قیام

(iii) بنی اسرائیل کی قومی نفسیات، عمرانی اور سیاسی نقطہ ہائے نظر اور قومی و نظریاتی اہداف

آیئے ان عنوانات پر ترتیب وار مختصر گفتگو کرتے ہیں۔

۱) بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی تاریخ

۱) ایک فرد کی زندگی میں جو اہمیت اس کے حافظے اور یادداشت کی ہے وہی حیثیت قومی اور اجتماعی زندگی میں تاریخ کی ہوتی ہے۔ مضبوط قبائل اور زندہ قومیں اپنی تاریخ کو حرزِ جان بناتی ہیں اور اپنی آنے والی نسلوں کو ازبر کراتی رہتی ہیں تاکہ نظریات، سوچ اور نفسیاتی رویّوں کی حفاظت ہو سکے اور یوں ان کا تسلسل بھی قائم رہے۔

۲) بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کی تاریخ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے شروع ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے جدامجد ہیں اور یہیں سے یہ تاریخ شروع ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی امتحانوں میں گزری اور آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سارے انعامات سے نوازا، اولاد عطا فرمائی اور آئندہ ختم نبوت تک سارے انبیاء و رُسل انہی (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد میں بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔

۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں یکے بعد دیگرے دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام عطا فرمائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت

ابراہیم علیہ السلام نے ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام سمیت (موجودہ) مکہ میں آباد کیا جہاں بیت اللہ کے سابقہ آثار تھے۔ بعد میں زمزم کا چشمہ جاری ہوا اور یوں اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل پھلی پھولی اور عرب آباد ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں پہلے نبی تھے۔ دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام (ISAAC) کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (موجودہ) فلسطین میں آباد فرمایا۔ ان کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام (JACOB) ہوئے، جن کے بارہ بیٹے تھے۔ اِنہی حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اسرائیل۔ اسرائیل معناً بہت خوب لفظ ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب بنا۔ عبرانی میں اس کے معنی ہیں ''اللہ کا اسیر'' یعنی اللہ کا بندہ۔ انہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ انہی کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکومت دی اور ان کے عہد میں بنی اسرائیل مصر میں منتقل ہوگئے۔

۴) مصر میں چند صدیوں بعد حکومت مقامی حکمرانوں فراعنۂ مصر کی آ گئی۔ تب بنی اسرائیل معتوب ہو کر غلام بنا لیے گئے۔ فراعنۂ مصر اُن سے بیگار لیتے تھے اور انہیں غلام بنا رکھا تھا۔ اغلباً انہی کی محنت اور کاریگری کے نمونے ہیں وہ سارے اہرامِ مصر جو آج بھی اپنی عظمت رفتہ کی یاد دلاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (MOSES) کی پیدائش یہیں ہوئی۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے جلیل القدر پیغمبر بنایا۔ انہوں نے ایک طرف فرعون کو اسلام کی دعوت دی اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کی غلامی سے لے کر نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون وقت اور اس کے سارے لشکر کو معجزانہ طور پر خلیج سویز میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل پار نکل گئے۔ وہاں سے رفتہ رفتہ جہاد کرتے ہوئے حکومتیں بنائیں اور بارہ قبیلوں نے اقتدار حاصل کیا۔ تاہم آپس کی ناچاقی اور خانہ جنگیوں میں مغلوب ہوگئے اور سلطنتیں ختم ہوگئیں۔ تورات کا اصلی نسخہ گم ہوگیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین صدیوں بعد ۱۰۰۰ ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام (DAVID) کے ہاتھوں ملک فتح ہوا اور بنی اسرائیل کی عظیم سلطنت قائم ہوئی اور ایک صدی تک نہایت شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں حکومت قائم رہی۔ (حضرت داؤد علیہ السلام کے ۴۰ سال، حضرت سلیمان علیہ السلام (SOLOMAN) کے ۴۰ سال، اور ۲۰ سال مزید یہ سلطنت وقت کی عظیم ترین اور خوشحال ترین سلطنت تھی۔) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک عبادت گاہ (پیغمبرانہ شان اور بادشاہت کے جاہ و جلال کے امتزاج سے) تعمیر کرائی جو بیت

المقدس یا Temple of Soloman کہلائی۔

۹۰۰ ق م کے بعد پہلا دورِ زوال آیا۔ بائبل کے عہد نامہ قدیم میں اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے' اور حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق میں نمرود بادشاہوں کا خاندان جو تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے حکمران چلا آ رہا تھا' یروشلم پر حملہ آور ہوا اور بالآخر بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا۔ بیت المقدس کے پاس یروشلم بارہ لاکھ کی آبادی کا شہر تھا' جس میں چھ لاکھ قتل ہو گئے اور چھ لاکھ بنی اسرائیلوں کو نمرود بادشاہ بخت نصر (NEUBUCAD NAZR) قیدی بنا کر عراق لے گیا۔ بیت المقدس مسمار کر دیا گیا (عراق کی موجودہ تباہی کا تعلق کوئی دانشور اس واقعہ سے جوڑے تو شاید بہت زیادہ دور کی کوڑی نہ ہو)۔

۵) ڈیڑھ سو سال کی غلامی کے بعد ایران کا ایک بادشاہ ذوالقرنین (کیخورس' جس کی دین داری کی قرآن مجید تعریف کرتا ہے) نے عراق فتح کیا تو بنی اسرائیل کو آزادی دلائی اور بیت المقدس کو دوبارہ آباد کرنے میں مدد دی۔ حضرت عزیر علیہ السلام اسی دور میں ہوئے اور انہی کی محنت اور دعوت و تبلیغ سے دوبارہ بنی اسرائیل میں دینی روح بیدار ہوئی اور جذبۂ جہاد پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ق م میں دوبارہ ایک سلطنت قائم ہوئی جو بنی اسرائیل کے دوسرے عروج کو ظاہر کرتی ہے۔ اِس دور میں بیت المقدس کی ازسرِ نو شاندار تعمیر ہوئی۔ یہ دوسرا ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کہلاتا ہے۔

۶) حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے قبل ہی یروشلم اور اس پورے علاقہ پر رومی قابض ہو چکے تھے۔ تاہم ہندوستان میں انگریزی دورِ اقتدار کی طرح رومیوں نے یہود کو داخلی مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائے اور آپؑ کی بعثت صرف بنی اسرائیل ہی کی طرف تھی۔ بالخصوص یہود کے علماء نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کر دیا اور اپنے اندازے میں تو انہیں رومی گورنر کے ذریعے گرفتار کرا کر سُولی چڑھا دیا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزانہ طور پر آسمان پر زندہ اٹھا لیا' حتیٰ کہ ۷۰ء میں ٹائٹس (TITUS) رومی نامی فاتح نے بنی اسرائیل کے رویے پر غصہ کھا کر انہیں سزا دی۔ بیت المقدس جو مکابی دور میں ازسرِنو تعمیر کر لیا گیا تھا' گرا دیا گیا اور اس کے آثار بھی ختم کر دیے گئے۔

۷) یہ مسمار شدہ بیت المقدس ۷۰ء سے ۲۰۰۵ء تک گرا پڑا ہے اور اس کی چار دیواری کا ایک مختصر سا اصلی ٹکڑا موجود ہے' جہاں ایک مقدس مقام کے طور پر بنی اسرائیل جمع ہوتے

ہیں اور اس کی تعمیر جدید نہ ہو سکنے پر افسوس کرتے ہیں۔ وہ اسے ''دیوارِ گریہ'' (weiling wall) کہتے ہیں۔ ٹائٹس رومی نے یروشلم اور فلسطین سے بھی بنی اسرائیل کو نکال دیا۔ ۷۰ء تا ۱۹۱۷ء بنی اسرائیل دنیا بھر میں منتشر رہے اور یہ دَور اُن کا Diaspora یعنی دورِ انتشار کہلاتا ہے۔ ان انیس صدیوں میں بنی اسرائیل کا کوئی وطن نہیں تھا اور حکومت بھی کہیں نہیں بن سکی۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کی سزا کے طور پر اللہ کے غضب کا نشانہ بنے رہے۔ اس عرصے میں بنی اسرائیل عرب، ایران، عراق، ہندوستان، چین، ترکستان، یورپ، امریکہ اور نامعلوم کہاں کہاں پہنچے اور ایک نسلی مذہب (racial creed) کی حیثیت سے اپنی روایات اور تاریخ کا تحفظ کرتے رہے۔

۸) بنی اسرائیل کے کچھ لوگ پانچویں صدی عیسوی میں یثرب (مدینۃ النبی ﷺ) میں آ کر آباد ہوئے کہ یہاں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تشریف لائیں گے۔ اور حیرت ہے کہ تورات اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی پیشین گوئیاں کتنی درست تھیں اور ان کا اندازہ کس قدر صحیح (accurate) تھا کہ ۵۳ برس مکہ میں گزارنے کے بعد حضرت محمد ﷺ بالآخر مدینہ تشریف لے آئے اور یوں بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے توبہ اور ایمان کا ایک اعلیٰ اور شاندار موقع نصیب فرمایا، مگر بنی اسرائیل کے تین قبائل جو مدینہ میں آباد تھے، حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کے باوجود ایمان سے محروم رہے۔

ایک معاہدے ''میثاقِ مدینہ'' میں حلیف بننے کے باوجود مسلمانوں اور حضرت محمد ﷺ سے بے وفائی کی اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ بدر کے موقع پر پہلے ایک قبیلے نے بدعہدی کی سزا پائی، پھر جنگ اُحد کے موقع پر دوسرے قبیلے نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی، کفار کو مدینے پر چڑھائی کی دعوت دی اور سزا پائی۔ یہ قبیلہ بھی جلا وطن کر دیا گیا۔ تیسرے قبیلے نے ان واقعات سے سبق نہ سیکھا اور طے شدہ پروگرام کے مطابق جنگ احزاب (خندق) کے موقع پر کفار سے روابط بڑھا کر اسلام کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنا کر مسلمانوں کے خاتمے کے بعد مدینہ پر قبضہ کا ارادہ کیا، مگر جنگ احزاب میں کفار مکہ کی ناکامی پر اُن کا منصوبہ بھی خاک میں مل گیا اور بدعہدی کی سزا کے طور پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تورات کے مطابق انہیں بدعہدی کی سزا دلائی، جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے ۷۰۰ کے لگ بھگ قابل جنگ جوان قتل کر دیے گئے، مگر اسلام نہیں لائے۔

پہلے ان کو خیبر میں رہنے کا موقع دیا گیا مگر وہاں بھی قرب کی وجہ سے سازشوں میں حصہ

لینے سے نہ رکے تو رحمتِ عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں شمال کی طرف دھکیل دیا اور وصیت فرمائی کہ بنی اسرائیل کی سازشوں سے بچنے کے لیے جیسے ہی عرب میں اسلام کی حکومت مستحکم ہو اُن کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے' چنانچہ یہ کام دَورِ فاروقی میں تکمیل پذیر ہوا۔ قیامِ مدینہ کے دوران بنی اسرائیل نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے قتل کے دو منصوبے تیار کیے' تاہم ناکامی ان کا مقدر بنی۔ البتہ بنی اسرائیل پر قتلِ انبیاءؑ کا سابقہ جرم ایک دفعہ پھر ثابت ہو گیا کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بلا جواز قتل کر دیتے تھے۔

۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ۱۶ھ/۶۴۴ء میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو یہ جگہ اُس وقت عیسائیوں کے پاس تھی اور جب فتح کے بعد معاہدہ لکھا جا رہا تھا اور عیسائیوں کے لیے آئندہ مراعات لکھی جا رہی تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنی اسرائیل پر عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاریخی احسان فرمایا اور معاہدہ میں یہ تحریر کرایا کہ بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہے گا' عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے مقدس مقامات دیکھنے کی اجازت ہو گی۔ اس طرح چھ صدیوں بعد بنی اسرائیل کو بھی اجازت دے دی گئی کہ وہ آ کر اپنے مقدس مقامات کو دیکھیں (جیسے آج کل عالم اسلام سے مسلمان حج' عمرہ کے لیے جاتے ہیں) تاہم آبادکاری کی اجازت نہیں تھی۔

۱۰) بنی اسرائیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو خلافت راشدہ اور اس کے بعد بہت عزت و وقار سے رہنے کا موقع دیا گیا اور اعلیٰ عہدے دیئے گئے۔ حتیٰ کہ سپین (جس کا نام ہسپانیہ اور اندلس بھی ہے) کے تقریباً آٹھ سو سالہ دورِ بنی اُمیہ (۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء) میں بنی اسرائیل بالخصوص یہود کو نہایت عزت دی گئی اور وہ مراعات سے فائدہ اٹھاتے رہے' حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے اپنے مؤرخین اس ''دورِ انتشار'' کے دوران مسلم سپین کے آٹھ سو سال نہایت شاندار' بے مثال اور عیش و عشرت کے حامل سمجھتے ہیں۔

۱۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم سپین کے علاوہ باقی یورپ تو آغازِ اسلام سے ہزار سال تک اندھیروں میں رہا۔ برٹرینڈ رسل (برطانوی مصنف) لکھتا ہے کہ یورپ ہزار سال ''قرونِ مظلمہ'' یا ''تاریک دور'' (Dark Ages) میں رہا' تاہم مسلم سپین یورپ میں ہونے کے باوجود اس ''تاریک دور'' کے لیبل سے مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا یہود کے لیے بھی مسلم سپین کے عرصہ کی مراعات اور سہولتیں عیسائی یورپ کے مقابلہ میں یقیناً بے مثال ہی ہوں گی۔

۲) عہد حاضر میں ایک نظریاتی ریاست کی حیثیت سے اسرائیل کا قیام

سپین پر مسلمانوں کی حکومت کے پُر امن دَور (دورِ بنوامیہ ۷۱۱ء تا ۱۴۹۲ء) میں یہود کو ہر قسم کی مراعات اور امن میسر رہا۔ اسی دور میں مسلمان علم اور تحقیق کے میدان میں یونان اور یورپ کو کہیں پیچھے چھوڑ گئے۔ یورپ کے عیسائی اور یہودی مسلم سپین میں اسی طرح تعلیم حاصل کرنے آتے تھے اور روشنی، ترقی اور وسیع النظر فی لے کر لوٹتے تھے جیسے آج تھرڈ ورلڈ سے لوگ مغربی ممالک میں جاتے ہیں۔

اسی پُر امن دَور میں یہود نے مسلمانوں ہی کی گود میں بیٹھ کر مستقبل کی ایک طویل منصوبہ بندی کی اور قدرت کے اٹل قانونِ عروج و زوال کے تحت مسلمانوں کے ممکنہ زوال کے بعد خلا کو پُر کرنے کے لیے ایک عالمی ریاست کا نقشہ بنایا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہودی بنی اسرائیل کی بنیاد پر کبھی یہودی ریاست کا معاملہ نہیں سوچ سکتے تھے۔ یہودیت ایک ''یک نسلی مذہب'' ہے اور شاید ہی کسی غیر بنی اسرائیل نے یہودیت قبول کی ہو یا یہود نے اسے own کیا ہو۔ (شاید ایک مثال روسی ترکستان کے ایک قبیلے کی ہے، جسے ''تیرہواں قبیلہ'' کا نام دیا گیا ہے، اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل ہی مشہور و معروف ہیں، واللہ اعلم)

چنانچہ یہود پر یہ بات واضح تھی کہ وہ اپنے مذہب کی بنیاد پر عالمی سلطنت نہیں بنا سکتے اور شاید کبھی بھی نہیں بنا سکتے، لہٰذا انہوں نے یہ کام غیر مذہبی بنیادوں پر یا سیکولر بنیادوں پر کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کے لیے انہوں نے ایک ہزار سالہ منصوبہ بنایا اور اس کام کے لیے انہوں نے اس بات سے بھرپور فائدہ اٹھایا کہ یہودی دنیا کے ہر ملک میں پھیل گئے اور حکومتوں کے مالی معاملات کے نہ صرف نہایت قریب رہے بلکہ اس میں حیرت انگیز حد تک مداخلت بھی کرتے رہے۔ اس ساری تاریخ کا معاملہ ۱۰۰۱ء سے شروع ہو کر ۲۰۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس منصوبے میں وہ کس حد تک کامیاب ہو گئے ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے۔ تاہم بے حد اہم سنگ ہائے میل (land marks) کا ایک چارٹ نیچے درج ہے، جس سے ان کی مسلسل اور انتھک محنت کا سراغ ضرور ملے گا۔

ایک اہم بات اس ایک ہزار سالہ تاریخ عالم میں اظہر من الشمس نظر آئے گی کہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے یہود نے جو پالیسی طے کی تھی وہ یہ تھی کہ خود نمایاں ہو کر یا مدمقابل

بن کر کبھی سامنے نہیں آنا' بلکہ پیچھے رہ کر کام کرنا ہے اور دوسروں کو استعمال کرنا ہے اور اس پالیسی پر عمل درآمد کرنے میں وہ صدفی صد درجے کامیاب رہے ہیں اور کامیاب ہیں۔ تاریخ میں یہ مقام حیرت ہے کہ ماسوائے چند مواقع کے شاید ہی کسی نے ان کو بے نقاب کیا ہو!

گیارہویں صدی (۱۰۰۰ء تا ۱۱۰۰ء)

خلافت راشدہ کے بعد بنواُمیہ کا دَورِ حکومت ہے (۶۶۱ء تا ۷۵۴ء)۔ اس کے بعد بنو عباس کا پانچ سو سالہ دَورِ حکومت ہے۔ عباسی حکومت کے ابتدائی ۱۱۵ سال انتہائی شان و شوکت اور غلبہ و استحکام کے ہیں (۷۵۴ء تا ۸۴۹ء)۔ اگلے ۲۰۰ سال دورِ انحطاط ہے (۸۴۹ء تا ۱۰۵۰ء)۔ دوسرے ملینیم کے آغاز تک پہنچتے پہنچتے عباسی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی اور باہمی اختلاف نمایاں ہو رہے تھے۔ یہود نے مسلمانوں کے درمیان خلفشار پیدا کرنے کے لیے حسن بن صباح اور دوسری خفیہ تنظیمیں اٹھائیں تاکہ ان اختلافات کو اُبھارا جا سکے۔ اسی طرح کا کام انہوں نے یورپ میں عیسائیوں کے ساتھ کیا اور عیسائیوں سے دشمنی اور کمزور ہونے کے باوجود سازشیں کیں اور عیسائیوں کو مسلمانوں سے لڑنے اور بیت المقدس آزاد کرانے کا نعرہ دیا' حالانکہ سارے یورپی مؤرخ متفق ہیں کہ عباسی دور میں عیسائیوں کو بیت المقدس میں بے پناہ امن وسکون اور مراعات حاصل تھیں۔ یہ بھی اسرائیل کے یہود کی محنت کا حاصل تھا کہ یورپی بادشاہوں (انگلستان' جرمنی' فرانس وغیرہ) کو ابھار کر صلیبی جنگوں کا آغاز کرا دیا اور مسلمانوں کے باہمی خلفشار اور یورپی عیسائیوں میں جوشِ انتقام کے جذبے نے یہ نتیجہ دکھایا کہ بیت المقدس عیسائیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین لیا (۱۰۹۹)۔ اس کا پورے یورپ میں بہت چرچا ہوا اور یہودیوں کی good will میں اضافہ ہوا اور وہ یورپ کو جگا کر عالم اسلام کے قلب پر حملہ آور ہو کر اس کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

بارہویں صدی (۱۱۰۱ء تا ۱۲۰۱ء)

بارہویں صدی میں پورا یورپ متحد رہا اور اسی نشے میں سرشار رہا کہ بیت المقدس مسلمانوں سے حاصل کر لیا ہے۔ یہود اپنی گرفت مضبوط کرنے والی چالوں میں لگے رہے۔ مسلمانوں میں باہمی خلفشار ابھارنے کے لیے اندر سے ہی لوگ کھڑے کیے گئے اور مرکز گریز اور اسلامی بنیادی عقائد سے بیزار طبقات کو افریقہ میں سر اٹھانے کا موقع ملا۔ یہاں تک کہ یہود ہی کی سرپرستی میں عرب میں حج موقوف رہا اور حجر اسود مصر میں حاکم وقت کے پائیدان

کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ صرف بیت اللہ ہی نہیں، مدینۃ النبی ﷺ میں بھی وہ سازش زبان زدِ عام ہے کہ یہودیوں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کا جسد مبارک چوری کرنے کا خوفناک منصوبہ بنایا کہ حرمین شریفین کا تقدس ہی ختم ہو جائے۔ اس سازش کو اللہ تعالیٰ نے خدا ترس حکمران نورالدین زنگی کے ہاتھوں نہ صرف تلپٹ کر دیا بلکہ سازشی یہودیوں کو کیفر کردار تک پہنچا دینے کا اہتمام بھی ہو گیا۔ نورالدین زنگی کے بعد صلاح الدین ایوبی نے مرکز گریز عناصر کا قلع قمع کیا۔ اس نے مسلمانوں کی طرف سے پیش قدمی کر کے ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس واپس لے لیا اور عیسائی حکمرانوں کے ایک صدی کے مظالم کے مقابلے میں عام معافی دے دی۔ اس عبرت ناک شکست سے عیسائیت اور یہودیت کو دھچکا لگا۔ عالم عیسائیت تو سوگ مناتا رہا اور اس کی وجوہات تلاش کرتا رہا تاہم یہود نے یہ نتیجہ نکالا کہ پورپ کے بادشاہوں کے ذریعے اسلام کو ختم کرنا ممکن نہیں، لہٰذا وہ دوسرے alternates پر غور کرنے لگے۔

تیرہویں صدی (۱۲۰۱ء تا ۱۳۰۰ء)

سیکولر بنیادوں پر یہود اقلیت نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے جدید نظام کی پہلی اینٹ یہ رکھی کہ ۱۲۱۵ء میں انسانی حقوق (Human Rights) منظور کیے گئے اور ۱۲۲۵ء میں شاہ انگلستان نے منشورِ آزادی (Magna Carta) کی منظوری دے دی۔ اُس وقت شاید عیسائیت اور چرچ کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ لادینیت کا سیکولر بیج جب درخت بنے گا تو عیسائیت کے لیے بھی کتنا خوفناک ثابت ہوگا۔ یہود نے عالم اسلام کے خاتمے کے لیے عباسی حکومت کے پانچ سو سالہ دور اقتدار کو ختم کرنا ضروری سمجھا جس کے لیے دنیا بھر میں تلاش کے بعد چین میں چنگیز خان سے رابطہ کیا اور اسے ایشیا کی ان سونا اگلتی زمینوں اور زرعی علاقوں کا خواب دکھا کر اور اندر سے مدد اور مشوروں کی امید پر بغداد پر حملہ کے لیے آمادہ کیا اور بالآخر ۱۲۵۸ء میں طویل خانہ جنگی اور تباہی کے بعد عباسی سلطنت ختم ہو گئی۔ یہود کے لیے شاید یہ توقع سے کہیں بڑھ کر کام ہوا۔ اس لیے کہ وہ فوری طور پر اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے اور عالم اسلام آئندہ تین صدیاں بے لنگر کے جہاز کی مانند بے مقصدیت کا شکار رہا۔

چودھویں تا سولھویں صدی (۱۳۰۱ء تا ۱۶۰۰ء)

یورپ میں انسانی حقوق اور اقلیتوں کو بھی مساوی حقوق کے تصور کے سائے میں یورپ کے طول و عرض میں یہود کو ذرا سکون ملا تو انہوں نے ایک طرف یورپ میں عیسائی مذہب کے

خلاف پروٹسٹنٹ تحریک شروع کر دی اور اس کے لیے ہر طرح سے امداد فراہم کی اور آرتھوڈوکس عیسائی عقائد کے مقابلے میں جدید' آزاد اور روشن خیال عیسائیت کی راہ ہموار کرنا شروع کی۔ اس کے لیے لوگوں نے بہت قربانیاں دیں' حتیٰ کہ طویل جدوجہد کے بعد یہود اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ ایک طرف عیسائیوں کے ذریعے ۱۴۹۲ء میں بنوامیہ کا ۸۰۰ سالہ اقتدار ختم کر دیا اور دوسری طرف معیشت میں سود کو داخل کر دیا۔ اسلام کی طرح یہودیت اور عیسائیت دونوں میں سود حرام ہے۔ مگر عیسائیت ہی کے ایک فرقے کے طور پر پروٹسٹنٹس کو سود کی اجازت مل گئی جس کا کما حقہ فائدہ یہود نے اٹھایا اور سولہویں صدی کے وسط میں بینک آف انگلینڈ قائم کر دیا اور اس کے کاروبار کو توسیع دینا شروع کر دی۔ مقصد یہ حاصل کیا گیا کہ عالمی سلطنت کے منصوبے کے لیے جن بے پناہ وسائل کی ضرورت تھی وہ اس کے بغیر ہاتھ نہیں آ سکتے تھے۔ اور دوسرے بڑے اور عالمی سطح کے اداروں کے بغیر حکومت کو غیر محسوس طریقے پر کنٹرول کرنا ممکن نہیں تھا۔ عالمی سطح کے اداروں میں یہودی شناخت پس پردہ ہی رہتی تھی۔ اس طویل جدوجہد کا ایک حاصل پیپر کرنسی کا اجراء بھی تھا جسے بینکوں کے ذریعے عام کیا گیا۔

سترہویں اور اٹھارہویں صدی (۱۶۰۱ء تا ۱۸۰۰ء)

اسی دور میں سائنسی ایجادات اور صنعتی ترقی کا دور شروع ہوا اور اس کے ساتھ ہی یورپی اقوام کے افریقی مقبوضات کے کنٹرول پر باہمی لڑائیوں کے سلسلے میں خلفشار نے پوپ تک کو پریشان کر دیا' چنانچہ پوپ نے مداخلت کر کے تمام یورپی ممالک کی صلح بھی کرائی اور افریقی مقبوضات میں حد بندی بھی کی اور سائنسی ترقی کے ثمرات سمیٹنے کے لیے یورپی عیسائی ممالک میں co-existance کے اصول بھی طے کرا دیے۔ چنانچہ شیشے کی صنعت بلجیم کو ملی' آرائشی شیشہ اور برتن پر فیوم وغیرہ فرانس اور ہیوی انڈسٹری برطانیہ وغیرہ کے حصے میں آئیں' علیٰ ہذا القیاس' جس سے یہود کو امن وسکون اور مستقل بنیادوں پر اپنے مقاصد اور سودی معیشت کو آگے بڑھانے کے بے پناہ مواقع میسر آ گئے۔ عیسائیت کے مظالم کی وجہ سے یورپ میں عام آدمی کی حالت بہت ابتر تھی اور سائنسی ترقی اور آزاد خیالی بھی چرچ اور عام عیسائی ذہن کو پسند نہیں تھی۔ پھر چرچ اور بادشاہت کے تعاون (جس کے تحت سارے یورپی ممالک ویٹی کن سٹیٹ اور عیسائیت کی تبلیغ کے سرکاری سطح پر اخراجات برداشت کرتے ہیں اور چرچ آف انگلینڈ عیسائیت کے فروغ کے لیے ذمہ دار ہے اور انگلینڈ یعنی برطانیہ کا

تخت' بادشاہ ہو یا ملکہ' سیاسی سطح پر عیسائی مذہب بالفاظِ دیگر پوپ کے فیصلوں اور ترجیحات کے فروغ اور مفادات کے تحفظ کا ذمہ دار ہے) کے نتیجے میں پوپ کی بادشاہوں کی جا بیجا پشت پناہی کی وجہ سے عوام تنگ آ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور یہ تحریک انقلابِ فرانس پر منتج ہوئی اور جمہوریت کے نام پر بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔ ان حالات میں یہود کو یورپ کے مستقبل سے کوئی زیادہ توقع نہیں رہی اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے نئی دنیا تلاش کرتے ہوئے امریکہ کو منتخب کرنا پڑا جو عام معلوم دنیا سے بہت دور ہے اور یہود کی سازشوں کو منظر عام پر لانے سے روکنے کا قدرتی ذریعہ بھی۔ چنانچہ انقلابِ فرانس کے جلد ہی بعد امریکہ میں بھی طویل خانہ جنگی کے بعد ۱۷۷۶ء میں جدید امریکہ کا آئین اور ایک پائیدار حکومت کے قیام کا منصوبہ بنا جو کامیابی سے آج تک چل رہا ہے اور اس کے محل وقوع کی وجہ سے کوئی بڑا دھچکا نہیں لگا۔

یورپ سے مایوسی کی ایک اور وجہ اس سے بہت نمایاں ہے اور وہ ہے عالم اسلام کی طرف سے ایک واقعی تہدید (threat) جسے یہود ہضم نہیں کر سکتے تھے۔ ہوا یوں کہ ۱۲۵۸ء میں عباسی حکومت کے خاتمے کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی' بے انتظامی اور طوائف الملوکی رہی جس سے یہودی منصوبوں کو ناکامی کا خطرہ نظر آیا کہ وہ کنٹرول نہیں کر پا رہے تھے۔ تاہم سولہویں صدی کے دوران ہندوستان میں مغلیہ سلطنت (۱۵۲۸ء)' ایران میں اسماعیل صفوی کی حکومت (۱۵۴۰ء) اور ترکی میں عثمانی سلطنت کا عروج و استحکام ہوا' اور ۱۴۹۲ء میں جہاں مغربی یورپ میں اسلام کا سورج غروب ہوا وہیں یہود کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ خلافِ توقع مشرقی یورپ میں ۱۴۵۲ء ہی میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے عیسائیوں کو یورپ تک محدود کر دیا اور ترکوں کی حکومت میں اسلام کی برکات اور امن و سکون کا عوامی احساس مشرقی یورپ کو اسلام کے دامن میں لے آیا اور مسلمان ترک افواج مشرقی یورپ کو فتح کر کے فرانس کے دروازے تک دستک دینے لگیں۔ یہ ایک خارجی اور حقیقی وجہ بھی تھی جس کی وجہ سے یہود کو یورپ سے مایوس ہو کر مستقبل کے سہانے خوابوں اور عالمی سلطنت کے قیام کے لیے امریکہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ یہی عالمی سلطنت کے قیام اور پوری دنیا پر حکومت کا یہودی ذہن ہے جس کے کئی مظاہر آج بھی امریکی تاریخ اور اس کے رویے میں رچے بسے ہیں۔

امریکی کرنسی کا ایک ڈالر کا نوٹ بہت اہم ہے اور اس کا ڈیزائن شاید دو صدیوں سے

یہی چلا آ رہا ہے۔اس پر ایک اہرام مصر کی طرز کی عمارت بنی ہوئی ہے اور اس پر ایک آنکھ۔ بھلا امریکیوں اور اہرام مصر کا کیا تعلق؟ یہ تو فرعون کی غلامی کے دور میں یہود کی تاریخ ہے اور شاید انہی کے خون اور پسینے سے بنائے گئے ہیں۔(یہود کی خود بنائی ہوئی فلم Ten Commandments میں اہرام کی تعمیر کے دوران بنی اسرائیل پر مظالم کا جو نقشہ پیش کیا گیا وہ اس کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔اور ایک آنکھ خیالی عالمی نظام کی طرف اشارہ ہے۔اور ساتھ ہی دوسری طرف اس نوٹ پر عبارت ہے: Ordo Novo Seclorum یعنی نیوسیکولر ورلڈ آرڈر۔ نیو ورلڈ آرڈر کا جو نعرہ بش اکبر نے ۱۹۹۰ء میں پہلی عراق جنگ کے دوران لگایا اس کا خمیر یہود کے ذہن میں ایک ہزار سال سے تھا اور اس کا اظہار امریکی کرنسی پر دو صدیوں سے زیادہ عرصے سے تحریراً موجود ہے۔گویا یہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' دراصل ''جیو ورلڈ آرڈر'' ہے۔پھر یہ بات کہ عام ممالک میں کرنسی کا اجراء اور پرنٹنگ حکومتوں کا معاملہ ہے جبکہ امریکہ میں یہ اختیار بالواسطہ طور پر حکومت کے پاس نہیں بلکہ ۱۸۴۳ء سے بینکوں کے واسطے سے یہود کے ہاتھوں میں ہے۔

انیسویں اور بیسویں صدی (۱۸۰۱ء تا ۲۰۰۰ء)

ریاست اسرائیل کے قیام کے لیے ضروری وسائل جمع ہوتے ہی بنی اسرائیل نے براہِ راست اقدامات کرنے شروع کیے۔مسلمانوں کی تین سلطنتوں کے حصے بخرے کرنا پہلا مرحلہ تھا۔برصغیر میں یہ عمل سترہویں صدی سے شروع ہو گیا تھا تاہم ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر قبضے سے مسلمانوں کے بے شمار وسائل تاج برطانیہ کے ماتحت چلے گئے۔صفوی حکومت کے لیے بھی مسائل پیدا کیے گئے اور وہاں بھی انگریزوں نے پاؤں پھیلانے شروع کر دیے۔صنعتی ترقی کے ساتھ مغربی نظریات بھی پھیلنا شروع ہوئے تو بے خدا تعلیم (Godless Education) کی ابتدا کی گئی اور یوں سائنس اور مذہب کو جدا کر دیا گیا۔مغرب میں چرچ اور حکومت بھی الگ ہو گئے۔نظریات کے میدان میں نئے نئے فلسفوں کے ذریعے اعلیٰ اقدار اور اخلاق و کردار کو ختم کر دیا گیا۔

ڈارون تھیوری کے ذریعے انسان بس ایک ترقی یافتہ حیوان بن گیا تو آہستہ آہستہ شرم وحیا' پردہ' ستر' لباس اور اخلاق و کردار بھی قصۂ ماضی بنا دیا گیا۔فرائڈ کے نظریات نے مقدس انسانی رشتوں کو بھی حیوانیت کی بھینٹ چڑھا دیا۔

سلطنت عثمانیہ کے افریقی مقبوضات پہلے ختم کیے گئے۔ پھر شمالی افریقہ کے اہم ممالک مراکش، الجزائر، لیبیا اور مصر وغیرہ یورپی اقوام کے پاس چلے گئے اور یوں فلسطین سے قریب تر ہو کر بنی اسرائیل کو مزید کارروائیاں کرنے کا موقع مل گیا۔ سلطنت عثمانیہ بھی تین صدیوں کے بعد اب زوال پذیر تھی۔ مزید برآں انیسویں صدی کے کچھ حادثات و واقعات نے اسے اور کمزور کر دیا اور اس کے لیے اپنے مقبوضات کو کنٹرول کرنا ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا پہلی جنگ عظیم کے دوران برطانیہ اور جرمنی بظاہر دشمن ہونے کے باجود دونوں یہودی مقاصد کے حصول کے لیے غیر شعوری طور پر سرگرم تھے، اور جیت کسی کی ہو مقاصد بنی اسرائیل کے پورے ہونے تھے۔ اس لیے کہ پیسہ دونوں طرف یہود ہی کا تھا جو جنگی اخراجات میں کام آ رہا تھا۔ یہ پیسہ جنگوں میں کس طرح دیا جاتا ہے اور حکومتیں کس طرح مدتوں یہ قرض مع سود مرکب ادا کرتی ہیں، اس کی ایک مثال ملاحظہ کیجیے۔ ۱۸۱۳ء میں نپولین بونا پارٹ کے ساتھ جنگ کے لیے انگلستان نے بینک آف انگلینڈ سے قرض لیا جو سود در سود ۱۵۰ سال تک ادا ہوتا رہا۔ اسی طرح ہر جنگ کے بعد کے قرضے قیاس کر لیں۔

چنانچہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) کے دوران تمام عرب علاقے سلطنت عثمانیہ سے کاٹ دیے گئے، حتیٰ کہ فلسطین بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا اور ایک برطانوی جنرل نے ۱۱۸۷ء کے بعد پہلی مرتبہ ۱۹۱۷ء میں سلطان صلاح الدین کی قبر پر آ کر کہا کہ Saladin, look we have come۔ یہ وہ دل کے پھپھولے تھے جو زبان پر آ گئے اور ''اعلانِ بالفور'' کے ذریعے ۱۹۱۷ء میں یہود کو فلسطین میں آبادکاری کا جواز مل گیا تو انہوں نے دھڑا دھڑ بڑے بڑے رقبے خرید کر آباد ہونا شروع کر دیا اور فلسطینیوں کا اخراج عمل میں آنا شروع ہوا۔ صرف ڈیڑھ سو سال کے اندر بنی اسرائیل نے سازشوں کے ذریعے سلطنت مغلیہ، ایرانی سلطنت اور عظیم سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا کے نقشے پر مسلم اکثریت کا واحد ملک ترکی ایسا رہ گیا جو آزاد تھا، ورنہ تمام عالم اسلام یورپی اقوام کا غلام بنا لیا گیا اور بنی اسرائیل کو فلسطین میں آبادکاری کی اجازت بھی مل گئی۔ ۱۹۲۴ء میں نام نہاد خلافت کا بھی مصطفےٰ اتاترک کے ذریعے خاتمہ کر دیا گیا۔ رومن لاء کو ریاست کا قانون بنا دیا گیا اور دینی شعائر پر پابندی لگا دی گئی۔ مسلمانوں کے مرکزی ادارہ خلافت کے خاتمے کے بعد مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کو مزید تقسیم کر دیا گیا اور مسلمان کا بحیثیت ملّت کے وجود ختم ہو گیا۔ مسلمان اب کئی اقوام اور ممالک میں تقسیم ہو کر رہ گئے اور یہ صورت حال

آج (۲۰۰۵ء) تک باقی ہے۔

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) کے دوران پھر ایک بار برطانیہ اور جرمنی کی پشت پر یہود تھے۔ تاہم جرمنی کو یہود کی ڈبل گیم اور زیر زمین سرگرمیوں کا اندازہ ہو گیا تو اس نے بقول یہود ۶۰ لاکھ یہودی ۱۹۴۵ء میں قتل کر دیے، جس واقعہ کو Holocaust کہا جاتا ہے۔ تاہم برطانیہ کی فتح کے بعد ''یو این او'' کا قیام عمل میں آیا اور یوں تمام عالم کا اقوام کی رہنمائی ایک محدود گروہ کے ہاتھ میں آ گئی، جبکہ یہ گروہ پہلے ہی یہود کا آلہ کار تھا۔ پانچ ممالک کو ''اقوام متحدہ'' کے فیصلوں پر ویٹو کا اختیار حاصل ہے۔ اس سارے عمل میں یہود نے ہمیشہ آرتھوڈوکس عیسائیوں کو نظر انداز کیا اور پروٹسٹنٹس کو ہر طرح سے uphold کر کے ان کی پشت پناہی کی اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال بھی کیا۔ اسی کے لیے مغرب میں WASP کی اصطلاح عام ہے۔ (White Anglo Saxon Protestants)

یہود نے ۱۸۹۶ء میں حالات کا جائزہ لے کر اپنے بڑوں کا ایک اجلاس بلایا اور اتفاق رائے سے حالات کو سازگار سمجھ کر ریاست اسرائیل کے قیام کی نہ صرف منظوری دی بلکہ اس کے مقاصد بھی معین کر دیے۔ یعنی ایک چھوٹی ریاست لے کر اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کی سلطنت کے برابر کر دینا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ بیت المقدس کو، جو ۵۶۷ ق م اور ۷۰ء میں دو بار گر چکا ہے، تیسری مرتبہ تعمیر کرنا۔ طریق کار یا راہِ عمل (modus operandi) کے طور پر ہر طرح سے دشمنوں کو استعمال کر کے اور ہر اصول کو توڑ کر اور ہر اخلاقی حد کو عبور کر کے بھی یہ مقصد پورا کرنا طے پایا۔ ۱۹۰۶ء میں (جب ڈھاکہ میں مسلم لیگ بنی اسی سال) اسرائیل بنا تو نہیں مگر ''عظیم تر اسرائیل'' کا نقشہ منصۂ شہود پر لایا گیا۔ اسی مقصد کے لیے حکومتوں کو خریدنا، ورغلانا، تجارتی بددیانتیوں اور عیاشیوں کے ذریعے اہل ثروت کو گمراہ کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا، سیکس، شراب اور رشوت کے ذریعے مقاصد کا حصول ممکن بنانا اور حکومتوں کو قرضوں کی سیاست میں جکڑ کر مجبور و محکوم کر دینا بنی اسرائیل کا اجتماعی اخلاق رہا ہے۔ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کا قیام اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

بالآخر مئی ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا اعلان کر دیا گیا اور ایک چھوٹی سی ریاست دنیا کے نقشے پر اُبھر آئی جو ایک ''یک نسلی مذہبی ریاست'' تھی۔ یہ ریاست روزِ اوّل سے ہی اپنے توسیع پسندانہ عزائم پر عمل پیرا ہے۔ آس پاس کے علاقے پر قبضہ کر لیا گیا، مقیم فلسطینیوں کو

بے دخل کر دیا گیا اور دو جنگوں کے ذریعے اسرائیل نے نہ صرف بیت المقدس (یروشلم) پر قبضہ کر لیا بلکہ بہت سے علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس وقت کی ریاست اسرائیل جو ایک حقیقت ہے' اس کے لیے زمینی اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

دی ورلڈ اکنامک ۲۰۰۰ء کے مطابق یہ اعداد و شمار مندرجہ ذیل ہیں:

آبادی : ۵ء۵۷ ملین ۲۰۰۰ء (۳۵ء۰ ملین ۱۷۸۵ء)۔

شرح آبادی : ۷۱۹ افراد فی مربع میل۔

شہری آبادی : ۹۱ فیصد۔

آبادی کی نوعیت : یہودی ۸۲ فیصد' غیر یہودی (زیادہ تر عرب) ۱۸ فیصد۔

اہم زبان : عبرانی۔

مذاہب : سب سے بڑا مذہب یہودیت ۸۲ فیصد۔ دوسرے نمبر پر مسلمان (سنی) ۱۴ فیصد۔

رقبہ : ۸۰۰۰ مربع میل۔

محل وقوع : مشرق وسطیٰ کا مغربی حصہ اور بحیرۂ روم کے مشرقی حصہ پر واقع۔

حدود اربعہ : شمال میں لبنان' شام' ویسٹ بینک اور اردن' مشرق میں غزہ کی پٹی اور مغرب میں مصر۔

حکومت : ریپبلک۔

مقامی (اندرونی) : چھ اضلاع میں تقسیم۔

مسلح فوج : ۱۷۵۰۰۰ افراد۔

تعلیم : ۵ سال سے ۱۵ سال کی عمر تک تعلیم مفت اور لازمی

شرح خواندگی : ۹۹ فیصد۔

ویب سائٹ : www.israel.com

بنی اسرائیل اپنے مقاصد میں اس خوفناک حد تک کامیاب رہے ہیں کہ اب دنیا کے اکثر ممالک میں عملاً بے دین' بے اصول' عیاش اور شراب خور طبقہ حکمران ہے۔ عورت کو آزادی دے کر ہر محفل کی زینت بنانے والا' حتیٰ کہ نعت بھی کوئی طوائف ہی گائے تو پسند آئے۔ اور شاید آئندہ اگر پابندی نہ لگی تو سرکاری تقاریب میں تلاوت کلام پاک بھی مغنیہ عورتوں ہی سے کرائی جائے گی۔ ساری دنیا کے حکمرانوں کا ایک ہی کلچر ہے۔ کسی انٹرنیشنل

فورم پر تصویر دیکھ کر پتا نہیں چلتا کہ کون کس مذہب اور ملک سے ہے' نام پڑھ کر پتا چلتا ہے۔ تہذیب' وضع قطع' لباس سب ایک ہے۔ مذہبی طبقات کو نظر انداز ہی نہیں کیا گیا نشانِ عبرت بنا دیا گیا ہے' جبکہ ملکی اور زمینی وسائل سب اسی طبقہ کے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جس کا ذکر اوپر ہو چکا اور یہی Protocols of the Elders of the Zions کا ایجنڈا ہے جو کامیاب ہوا ہے۔

۳) بنی اسرائیل کی قومی نفسیات' عمرانی اور سیاسی نقطہ ہائے نظر اور قومی و نظریاتی اہداف

انسان مل جل کر رہنے کا عادی ہے۔ اس طرح ہر گروہ' علاقے' خطے اور ملک کی ایک اجتماعی نفسیات وجود میں آتی ہے جس میں اس علاقے کے لوگوں کے مذہب' سوچ' تعلیم' نظریات وغیرہ کو بنیادی دخل ہوتا ہے۔ ہر دوسری قوم اور گروہ کی طرح بنی اسرائیل کی بھی ایک نفسیات ہے اور اس کی تقریباً ساڑھے تین ہزار سال کی تاریخ ہے۔ اسی اجتماعی نفسیات کا یہ اثر ہے کہ اصولی طور پر جب کسی قوم کو سکون' آزادی اور وسائل میسر آتے ہیں تو وہ وہی کچھ کرتی ہے جو اس نے سابقہ دَورِ عروج میں کیا تھا۔

مسلمانوں کے نقطہ نظر سے اور اسلامی' تاریخی تجربات اور قیام مدینہ سے آج تک کے تعامل سے بنی اسرائیل کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں جو احساسات ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱) بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام (جو کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھتیجے تھے) کی اولاد ہیں اور ایک ہی نسل پر مشتمل ہیں' لہٰذا یہ کوئی دعوتی اور تبلیغی مذہب کے حامل نہیں ہیں۔

۲) یک نسلی مذہبی حیثیت کی وجہ سے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی وجہ سے بنی اسرائیل کو یہ شدید احساس ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت چہیتے اور خاص لوگ ہیں اور تمام انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔

۳) اس احساس کے نتیجے میں یہ نفسیات بنی ہے کہ ہم بخشے بخشائے لوگ ہیں اور قیامت کے دن ہمارا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا' اور اگر ہوا بھی تو صرف قانونی کارروائی کے طور پر یا خانہ پُری کے لیے ہوگا' جنت تو ہمارا پیدائشی حق ہے۔

۴) اس احساس کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ تمام غیر یہودی لوگ' اقوام' قبیلے اور انسان کم تر ہیں اور بمقابلہ یہود کے inferior ہیں۔ مزید برآں گمراہ ہیں اور جہنم میں جائیں گے اور ان میں سے کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا۔

۵) مزید برآں اس احساس کی انتہا یہ ہے کہ تمام غیر یہودی لوگ (ظلم یہ ہے کہ بنی اسرائیل ایک نسل ہے اور دوسرے لوگ اس نسل میں آ ہی نہیں سکتے لہٰذا) پیدائشی طور پر ہی گمراہ اور جہنمی ہیں۔ حتیٰ کہ غیر یہودی انسان ہی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک غیر یہودی لوگ انسان نما حیوان ہیں جنہیں ان کی اصطلاح میں Goems یا Gentiles کہا جاتا ہے۔ گویا شرفِ انسانیت پر صرف یہودی فائز ہیں اور یوں تمام عالم پر حکومت ان کا حق ہے۔

۶) اسی احساس ہی کا ایک ثمر یہ ہے کہ یہودیت میں usury (سود) حرام ہے (عیسائیت اور اسلام میں بھی حرام ہے) اور یہودی آپس میں لین دین پر سود نہیں لیتے کہ یہ حرام ہے' جبکہ تمام غیر یہود اقوام سے سود لیتے ہیں' بلکہ تمام عالمی سودی ادارے اور بینک بالواسطہ یا بلاواسطہ یہود ہی کی ملکیت ہیں۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ انہیں انسان ہی نہیں سمجھتے۔

۷) ایک اور منطقی تقاضا اس شدتِ احساس کا یہ ہے کہ وہ آپس میں تورات کے احکام نکاح و طلاق کی پاسداری کرتے ہوں گے تاہم غیر یہودی لوگوں اور بالخصوص عورتوں کی عزت لوٹ لینا اور بدکاری و بے حیائی کا ارتکاب کرنا کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے وہ بے حیائی کو عام کرنا اور پھیلانا اور دوسری اقوام کو بے راہ کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا ثواب کا کام اور نیکی سمجھتے ہیں۔

۸) امریکہ میں خاص یہودی آبادیوں میں (اور شاید اسرائیلی یہودیوں میں بھی) ٹی وی نہیں رکھا جاتا کہ یہ گمراہی کا سبب ہے' جبکہ دوسری طرف یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا بھر کے فحش رسالے' اخبار' چینلز' فلمیں (ہالی وڈ وغیرہ) ٹی وی' ریڈیو اور کمپیوٹر کی فحاشی کے اداروں کے مالک عام طور پر یہود ہی ہیں۔

۹) یہود کے نزدیک غیر یہودیوں کا حق دبا لینا اور کھا جانا کوئی برائی نہیں' اس لیے کہ غیر یہودی حیوان ہیں۔

۱۰) تجارتی سطح پر شاید مغربی اقوام کی طرح یہود بھی Honesty is the best

policy پر عمل درآمد کرتے ہوں مگر قومی و اجتماعی سطح پر یہ سب اصول ایک طرف رکھے جاتے ہیں۔

۱۱) بنی اسرائیل کی طرف ہزاروں انبیاء علیہم السلام تشریف لائے جن میں بہت سوں کو انہوں نے قتل کر دیا۔ تورات کے مطابق بھی انبیاء کا قتل کر دینا ان کا وطیرہ رہا ہے۔

۱۲) غیر یہودی لوگوں / اقوام اور بالخصوص مسلمانوں کو دھوکہ دینا' وعدہ خلافی کرنا' مکر جانا اور نقصان پہنچانا عام دنوں میں بھی ان کے مذہب کا ایک حصہ ہے (جبکہ ان کے کسی اجتماعی مقصد کو فائدہ مل رہا ہو)

۱۳) اپنے کاروباروں کو وسعت دے کر ملٹی نیشنل بنا دیا ہے اور دنیا کے بیشتر ممالک میں چھا گئے ہیں۔ اور اب عام استعمال کی اشیاء تک انہی ملٹی نیشنلز ہی کے نام سے آ رہی ہیں۔ پانی (عیسلے وغیرہ)' چائے (لپٹن وغیرہ)' مشروبات (پیپسی' سیون اپ' فانٹا' مرنڈا وغیرہ)' بلیڈ (ٹریٹ وغیرہ)' صابن (لیکس' لیور کے مصنوعات)' شیمپوز (سن سلک وغیرہ)' فون (نوکیا وغیرہ) کمپیوٹر' ادویات حتیٰ کہ استعمال کی ہر چیز پر انہی ملٹی نیشنلز کا قبضہ ہے۔ اور یہ اکثر و بیشتر یہود کی ملکیت ہیں اور ان کمپنیوں کا منافع دو سو فیصد سے پانچ سو فیصد تک ہے۔ انہی ملٹی نیشنلز میں ۵۰۰ کمپنیاں ایسی ہیں جو fortune کمپنیاں کہلاتی ہیں' جنہیں کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ ان کے کاروبار کا پھیلا ہوا اور وسیع الاطراف ہونا ہے۔ ان میں سے بھی اکثریت یہود کی ملکیت ہیں۔

۱۴) ملکی سطح پر فوجی خریداریاں ہوں یا پبلک سیکٹر کی' جہاں بھی کروڑوں اور اربوں کی بات ہوگی' ان کمپنیوں کا طریقہ کار اور سیلز مین شپ یہ ہے کہ خریداری کرنے والی ٹیم کو جو اکثر و بیشتر دو چار افراد پر مشتمل ہوتی ہے' شراب' عورت اور مالی طور پر رشوت کی پیش کشوں کے ذریعے مائل کرنا ہوتا ہے۔ وہ ان افراد کو kick backs اور over invoicing کے ذریعے لاکھوں کروڑوں روپے ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی عیاشی کراتے ہیں' اپنے ہاں کے نائٹ کلب دکھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے ہاں کے جو وفود سیاسی مذاکرات کے لیے مغربی ممالک جاتے ہیں ان کے معاملات بھی ان چیزوں سے خالی نہیں ہوتے۔ وہ سیاسی وفود ہوں یا کھیلوں کے سلسلے میں ٹیمیں اور ان کے مینیجرز' ان کو انہی ہتھکنڈوں کا سامنا رہتا ہے۔ اور انسانی کمزوریوں اور ایمان کی کمی کے باعث اکثر ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔

۱۵) وہ رقم جو وہاں دنیا کے ترقی پذیر ممالک کے وفود کو ملتی ہے وہ اس نصیحت کے ساتھ

ملک واپس نہیں لانے دیتے کہ تمہارے ملک کے عوام کو پتا چل جائے گا اور وہ تمہیں ماریں گے (حالانکہ خود وہ ساری فائلیں بوقت ضرورت ہر ایک کے خلاف بطور lever استعمال کرتے رہتے ہیں) لہٰذا وہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں جمع کر دیتے ہیں کہ یہاں رقم محفوظ اور صیغہ راز میں رہے گی اور (غالباً) کسی عیسائی اور نئے نام سے جمع ہوتی ہے تاکہ آسانی سے trace نہ ہو سکے' لہٰذا حقیقی ورثا کو بھی نہ مل سکے۔ (ان اکاؤنٹ ہولڈرز کو ایک گھڑی تحفہ میں ملتی ہے جس میں اس کا نیا نام اور اکاؤنٹ نمبر درج ہوتا ہے۔ راجیو گاندھی کی بم دھماکے میں ہلاکت کے بعد اندرا گاندھی اس موقع پر یہی خصوصی گھڑی تلاش کرتی رہی تھیں) پاکستان میں بھی تنظیم الاخوان کے سربراہ جناب اکرم اعوان صاحب نے اپنے رسالہ ''المرشد'' میں لکھا تھا کہ ہمارے سابقہ وزیراعظم جناب محمد خان جونیجو صاحب بھی علاج کے لیے امریکہ گئے تو ہسپتال میں ایک مغربی نام سے داخل تھے (واللہ اعلم!)

۱۶) یہود ہی کے زیر اثر امریکہ اور کینیڈا نے اپنی نیشنلٹی دینے کے لیے ایک مالیاتی حد بھی مقرر کر رکھی ہے' جس کا اسی سے تعلق ہے اور اس کے تحت سال میں ہر گرین کارڈ ہولڈر کو امریکہ کا سفر کرنا ضروری ہوتا ہے' لہٰذا ہر سال اسی طرح کے لوگ جاتے ہیں' اپنے کھاتے سے سود کی رقم draw کرتے ہیں' امریکہ ہی میں خرچ کرتے ہیں اور واپس آ جاتے ہیں۔ واپس آ کر وہاں کے نائٹ کلبوں اور دیگر ناگفتہ بہ باتوں کا حسرت کے انداز میں تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۷) امریکہ میں جمہوریت کے اجراء کے ساتھ ہی یہود نے ایک طویل المیعاد منصوبہ اور شروع کیا تھا۔ وہ ہے: Order of Illuminatee یعنی دنیا بھر کے ذہین افراد کو مغرب بالخصوص امریکہ لا کر مغربی تعلیم دینا اور بعد میں ان کو واپس اپنے ملکوں میں بھیج کر حسب ضرورت وحسب لیاقت ان کی نگرانی کر کے ان کو اپنے اپنے ملکوں میں اہم عہدے دلانا' تاکہ عالمی سطح پر ہم ذہن قیادت سامنے آ سکے۔ اس قیادت کو وہ کالج اور یونیورسٹی کے دور میں بھی تعلیم سے دُور اور cafe,s اور عیاشی کے زیادہ قریب رکھتے ہیں اور سیاست میں لانے کے لیے یونین میں نمایاں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب نوبت بایں جارسید کہ تھرڈ ورلڈ میں کوئی جنرل یا سیاسی حکمران اقتدار میں آتا ہے تو دنیا بھر کے ملکوں کے فوجی جنرلز اور سیاسی حکمران ان کے مغربی یونیورسٹیوں' اکیڈمیوں اور اداروں کے کلاس فیلوز ہوتے ہیں جو انہیں پھر ہر طرح سے سپورٹ کرتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیمی قابلیت کے لیے جولوگ جاتے ہیں وہ ان ہتھکنڈوں میں کس طرح پھنستے ہیں اور کون پھنستا ہے اور کون اس جال سے بچ کر اور ایمان سلامت لے کر واپس آتا ہے' اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مثلاً بیرسٹری کے بارے میں جولوگ جاتے ہیں وہاں کیا ہوتا ہے' وہی جانتے ہیں۔ تحریراً مجھے صرف چند اشارے مہاتما گاندی کی خودنوشت سے ملے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ بیرسٹری کا کورس کوئی تعلیمی کورس نہیں بلکہ تربیتی نوعیت کا ہے' انگریزی تہذیب' لباس پہننے' کھانوں اور محفلوں میں جانے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ماہانہ ایک شام ہوتی ہے جس میں شراب پینے پلانے اور دیگر آداب سکھائے جاتے ہیں۔ ان سب محفلوں میں خاص لباس کی پابندی بہت ضروری ہے۔ یہ ۱۹۰۱ء کے قریب کی بات ہے' اب یہ brain drain کا معاملہ کہاں تک چلا گیا ہے آپ اندازہ کرلیں۔

۱۸) عالمی تجارت پر قبضہ کے ساتھ ساتھ وہ اب زراعت کے میدان میں بھی قبضے کے لیے ڈورے ڈال رہے ہیں اور کافی حد تک کامیاب ہیں۔ عام آدمی اس طریقہ واردات کو شاید ابھی تک اور کچھ اور سالوں تک سمجھ نہ سکے کہ یہود قوم زراعت پر اور وہ بھی عالمی سطح پر کیسے قبضہ کرے گی' مگر عملاً ایسا ہو چکا ہے۔ TRIPS کے نام سے ایک معاہدہ WTO کی طرح تمام زرعی ممالک سے ہو چکا ہے جس کے تحت وہ ممالک آئندہ اس کے پابند ہوں گے۔ اس واردات میں یہود نے ہر چیز کے بیج hyberd seeds بنا دیے ہیں۔ جیسے عام روایتی مرغی اور فارمی مرغی ہے۔ روایتی مرغی انڈے دیتی ہے' اس سے پھر بچے نکل آتے ہیں' لیکن فارمی مرغی انڈے بے تحاشا دیتی ہے مگر آپ ان انڈوں سے بچے حاصل نہیں کر سکتے' چوزوں کے لیے دوبارہ کمپنیوں سے رجوع کرنا ہوگا' البتہ آپ یہ انڈے استعمال کر سکتے ہیں۔ پرانی مثالوں میں خچر کی مثال سامنے رکھئے۔ گھوڑے اور گدھے کی نسل ملا کر پہاڑی علاقوں کے لیے خچر پیدا کیے جاتے ہیں اور صدیوں سے ہو رہے ہیں۔ اس کے باقاعدہ breeding farms ہیں۔ اب خچر کی آگے اپنی نسل کشی نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح بیجوں کی دنیا میں آپ روایتی بیج بوتے ہیں' جیسے گندم ہے۔ ہمارے کیا' دنیا بھر کے کسان صدیوں سے یہی کر رہے ہیں کہ گندم بوئی' جو فصل آئی اس میں سے چند من بیج کے لیے رکھ کر کچھ گھریلو استعمال کے لیے علیحدہ کر کے باقی بیچ دی۔ مگر اب hyberd بیجوں کا مسئلہ آہستہ آہستہ یہ ہوگا کہ اس سے جو فصل ہوگی اس کے ذریعے آپ دوبارہ فصل نہیں کاشت کر سکتے' نئی فصل کے لیے آپ کو سیڈ کارپوریشنز کی طرف رجوع کرنا

ہوگا اور وہ آہستہ آہستہ سب ملٹی نیشنلز کے ہاتھوں میں چلی جائیں گی۔ اب اس میں انتظار اسی بات کا ہے کہ سابقہ روایتی بیج ختم ہو جائیں اور کسان کا مزاج نئے انداز میں ڈھل جائے تو یہود ساری فصل کا منافع بیج بیچ کر ہی کما لیں گے۔ باقی کسان اور زمیندار کی قسمت' فصل ہو یا نہ ہو' کس بھاؤ بکے' وہ اس کی بلا سے۔ ابھی بھی ہم انڈین آلو اور لہسن کو رو رہے ہیں مگر بھنڈی' تربوز' مولی' گاجر' شلجم اور حتیٰ کہ اجناس کے بیج بھی سب انڈیا سے ہی آ رہے ہیں۔ گویا ہماری مارکیٹ پر غیروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔ یہود ساری دنیا کا زرعی شعبہ میں یہی حال کرنے والے ہیں اور اس طرح وہ عالمی سطح پر اسرائیل کے غلبے کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں۔

۱۹) یہود اور بنی اسرائیل کے منصوبوں میں ایک اہم منصوبہ عظیم تر اسرائیل کا قیام ہے جس کی حدود بقول ان کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کی اسرائیلی ریاست کی ہوں گی' جس میں مصر' مدینہ' اردن' عراق' کویت' شام' لبنان اور ترکی کا حصہ بھی شامل ہے۔ ان کے منصوبے کے مطابق عنقریب یہ ریاست قائم ہو کر عالمی معاملات کو ملٹی نیشنلز کے ذریعے تجارتی' صنعتی اور زرعی طور پر کنٹرول کرے گی اور دیگر عوام بطور Goems اور Gentiles محنت مزدری کر کے دو وقت کی روٹی حاصل کریں گے۔ ساری بالائی اور lion's share یہود کو جائے گا اور باقی دنیا جانوروں کی طرح زندگی گزارے گی۔

۲۰) دوسرا اہم منصوبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تعمیر کردہ عبادت خانہ ہیکل سلیمانی (Temple of Soloman) کی تیسری مرتبہ تعمیر ہے' جو کہ ۷۰ء سے (۱۹۳۵ سال سے) گرا پڑا ہے اور اب تیسری مرتبہ تعمیر ہوگا۔ اس کے نقشے تیار ہیں' رقم موجود ہے۔ اس کا سنگ بنیاد بھی امریکہ کے افغانستان پر حملے کے وقت ۵/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو دنیا کو دھوکہ دے کر رکھ دیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر ان کے لیے اہم بلکہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اسی عبادت گاہ کا وہ مقدس پتھر David Stone ہے جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے بیٹھ کر تاج پہنا تھا اور حکومت کرتے رہے تھے اور جو آج کل حکومت برطانیہ کے پاس امانت کے طور پر سنٹرل کیتھیڈرل میں موجود ہے اور برطانیہ کا ہر نیا بادشاہ (یا ملکہ) اسی پتھر پر بیٹھ کر حلف اٹھاتا ہے۔ وہ پتھر لا کر یہاں اسرائیل میں نصب ہوگا تو یہود کے عقیدے (تورات کی پیشین گوئیوں) کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے۔

یہ یاد رہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے نزدیک اور تورات کی پیشین گوئیوں کے

مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام) تشریف لائے تھے' مگر یہود نے نہ صرف انہیں مانا نہیں' بلکہ ان کو اپنے تئیں سولی چڑھا دیا' لہٰذا یہود کے عقیدے اور ذہن کے مطابق وہ نشست اور مقام ابھی خالی ہے' یعنی Situation Vacant ہے۔ لہٰذا اب وہ کسی کو نبی بنا کر اس مقام پر فائز کریں گے۔ اہل سنت مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تھے مگر سولی چڑھانے کے وقت آسمان کی طرف زندہ اٹھا لیے گئے' جبکہ سولی کوئی اور شخص چڑھا دیا گیا۔ وہ زندہ ہیں اور یہود کی طرف سے کھڑے کیے گئے کرائسٹ کے مقابل آئیں گے۔ مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل میں جو شخص ہوگا وہ اینٹی کرائسٹ ہوگا اور ''دجال'' کہلائے گا۔ یہ شخص ہوگا جو یہود کے بقول اس مقدس پتھر پر بیٹھ کر آسمانی بادشاہت' اللہ کی حکمرانی یا تورات کے احکام کے نفاذ کا اعلان کرے گا اور ان کے مطابق اسرائیل کی ریاست کے معاملات چلائے گا۔ اس topic پر ان کا بے حد وحساب لٹریچر ہے اور آج کمپیوٹر کی دنیا میں کرائسٹ اور اینٹی کرائسٹ نام سے سینکڑوں نہیں لاکھوں web sites ہیں جن میں ان کا تذکرہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام ان کے نزدیک کتنا اہم ہے۔

۲۱) ہماری طرف سے وہ یہ کام کریں' ہمیں اس سے کیا غرض؟ —— مگر کیا کریں' وہ تھرڈ ٹمپل جہاں جہاں بننا ہے وہاں مسجد اقصیٰ کھڑی ہے' مسجد خلیل ہے۔ مسجد اقصیٰ وہ جگہ ہے (یہ قبہ بھی مسلمانوں نے بعد میں تعمیر کیا تھا) کہ یہاں سے نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کو معراج حاصل ہوئی تھی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں براق کھڑا کیا گیا تھا اور تمام انبیاء کی امامت جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے کی۔ دوسری اہمیت اس جگہ کی یہ ہے کہ ہجرتِ مدینہ کے بعد چند ہفتے یا چند ماہ حضرت محمد ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اسی بیت المقدس کی طرف (اُس وقت بھی ٹوٹا پڑا تھا) منہ کر کے نماز پڑھتے رہے' حتیٰ کہ ایک دن نمازِ ظہر کے فرضوں کی ادائیگی کے دوران حکم آیا کہ آپؐ اپنا قبلہ بدل لیں اور اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف کر لیں۔ اس واقعہ کی علامت کے طور پر مدینہ منورہ میں اب بھی حاجی حضرات اور عمرہ کرنے والے حضرات اُس مسجد کو جا کر دیکھتے اور زیارت کرتے ہیں جو مسجد قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہلاتی ہے۔ اس مسجد میں دو محراب ہیں' ایک شمال کو مسجد اقصیٰ کی طرف اور دوسرا محراب جو تحویل کعبہ کے بعد استعمال میں ہے' جنوب کو خانہ کعبہ کی طرف ہے۔ (واضح رہے کہ مدینہ منورہ میں قبلہ جنوب کی طرف ہے)

قارئین کرام! یہ ہیں مختصر ترین انداز میں کچھ معلومات جو اسرائیل اور بنی اسرائیل کے بارے میں پیش خدمت ہیں اور بالعموم ہر مسلمان اور بالخصوص پاکستانی مسلمانوں کے لیے ضروری ہیں' اور ممبران پارلیمنٹ اور وفاقی وزراء وسیکرٹری حضرات کے لیے بھی ازبر کرنے کی چیزیں ہیں' تاکہ صحیح سوچ کے ساتھ آگے بڑھا جا سکے' اور جو فیصلہ بھی ہو علیٰ وجہ البصیرت ہو اور بعد میں پریشانی' پشیمانی اور کفِ افسوس ملنے کا سبب نہ بنے۔

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں
اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے!

ریاست اسرائیل اور بنی اسرائیل سے متعلق ناگزیر حقائق

تحریر: انجینئر مختار حسین فاروقی ☆

ایک معاہدے ''میثاقِ مدینہ'' میں حلیف بننے کے باوجود مسلمانوں اور حضرت محمد ﷺ سے بے وفائی کی اور معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ بدر کے موقع پر پہلے ایک قبیلے نے بدعہدی کی سزا پائی' پھر جنگ اُحد کے موقع پر دوسرے قبیلے نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی' کفار کو مدینے پر چڑھائی کی دعوت دی اور سزا پائی۔ یہ قبیلہ بھی جلاوطن کر دیا گیا۔ تیسرے قبیلے نے ان واقعات سے سبق نہ سیکھا اور طے شدہ پروگرام کے مطابق جنگ احزاب (خندق) کے موقع پر کفار سے روابط بڑھا کر اسلام کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنا کر مسلمانوں کے خاتمے کے بعد مدینہ پر قبضہ کا ارادہ کیا' مگر جنگ احزاب میں کفار مکہ کی ناکامی پر اُن کا منصوبہ بھی خاک میں مل گیا اور بدعہدی کی سزا کے طور پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تورات کے مطابق انہیں بدعہدی کی سزا دلائی' جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے ۷۰۰ کے لگ بھگ قابل جنگ جوان قتل کر دیے گئے' مگر اسلام نہیں لائے۔

پہلے ان کو خیبر میں رہنے کا موقع دیا گیا مگر وہاں بھی قرب کی وجہ سے سازشوں میں حصہ لینے سے نہ رکے تو رحمتِ عالم جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں شمال کی طرف دھکیل دیا اور وصیت فرمائی کہ بنی اسرائیل کی سازشوں سے بچنے کے لیے جیسے ہی عرب میں اسلام کی حکومت مستحکم ہو اُن کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے' چنانچہ یہ کام دَورِ فاروقی میں تکمیل

۲) یک نسلی مذہبی حیثیت کی وجہ سے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی وجہ سے بنی اسرائیل کو یہ شدید احساس ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت چہیتے اور خاص لوگ ہیں اور تمام انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارے ہیں۔

۳) اس احساس کے نتیجے میں یہ نفسیات بنی ہے کہ ہم بخشے بخشائے لوگ ہیں اور قیامت کے دن ہمارا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا' اور اگر ہوا بھی تو صرف قانونی کارروائی کے طور پر یا خانہ پُری کے لیے ہوگا' جنت تو ہمارا پیدائشی حق ہے۔

اسلامی نظامِ زندگی

مسلمان کا طرزِ حیات (۴۷)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنهاجُ المسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

آٹھواں باب

نماز (مسلسل)

۱۲) نمازِ عیدَین

(ا) عیدَین کا حکم اور وقت:

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز سنت مؤکدہ ہے، جس کی تاکید واجب کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل فرمان میں اس کا حکم دیا ہے:

﴿اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ۝﴾ (الکوثر)

"یقیناً ہم نے آپ کو کوثر (خیر کثیر) عطا فرمائی ہے۔ پس اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔"

دوسرے مقام پر مؤمن کی فلاح کا دارومدار اس پر قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ۝ وَذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۝﴾ (الاعلی)

"وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے پاکیزگی حاصل کی۔ اور اپنے ربّ کا نام یاد کیا، پھر نماز پڑھی۔"

جناب رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل فرمایا' اور ہمیشہ اسے انجام دیتے رہے اور اس کا حکم دیا۔ بلکہ عورتوں اور بچوں کو گھروں سے نکل کر نمازِ عید میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ یہ اسلام کے شعائر میں سے ہے' اور اہل اسلام کے ایمان وتقویٰ کا ایک عظیم مظہر ہے۔

اس کا وقت سورج کے ایک نیزہ بلند ہونے سے شروع ہو کر زوالِ آفتاب تک رہتا ہے۔ عیدالاضحیٰ کی نماز اوّل وقت ادا کرنا افضل ہے' تاکہ لوگ قربانی کے جانور ذبح کر سکیں۔ اور عید الفطر کی نماز قدرے تأخیر سے ادا کرنا بہتر ہے تاکہ لوگ نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر سکیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ اسی طرح عمل فرماتے تھے۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ ہمیں عید الفطر کی نماز اُس وقت پڑھاتے تھے جب سورج دو نیزے کے برابر بلند ہوتا۔ اور عیدالاضحیٰ کی نماز اُس وقت پڑھاتے تھے جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہوتا''۔

ب) نمازِ عیدین کے آداب:

① غسل کرنا' خوشبو لگانا اور اچھے کپڑے پہننا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جنابِ رسول ﷺ نے عیدین کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ (اس موقع پر) ہم وہ بہترین لباس پہنیں جو ہمیں میسر ہو' اور وہ بہترین خوشبو لگائیں جو ہمیں میسر ہو' اور سب سے قیمتی جانور کی قربانی دیں جو ہمیں میسر ہو''۔ (۱) جنابِ رسول اللہ ﷺ ہر عید کے موقع پر دھاری دار چادروں کا جوڑا زیب تن فرمایا کرتے تھے''۔ (۲)

② عید الفطر میں کچھ کھا کر نماز کے لیے نکلنا اور عیدالاضحیٰ میں نماز کے بعد قربانی کے جانور کی کلیجی کا گوشت کھانا: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبی ﷺ کچھ کھائے بغیر عید الفطر کی نماز کے لیے نہیں نکلتے تھے اور عیدالاضحیٰ کے دن واپس آنے تک نہیں کھاتے تھے۔ واپس آ کر قربانی کے گوشت میں سے کچھ تناول فرماتے تھے''۔ (۳)

---

(۱) مسند شافعی۔ **اس کی سند متابعت کی وجہ سے قابل قبول ہے۔**

(۲) مستدرك حاكم، كتاب الاضاحى، باب امر نار سول الله ﷺ فى العيد ان نلبس احسن ما نجد۔ **اس حدیث کے متعلق امام حاکم نے فرمایا: ''اگر اس کی سند میں ایک مجہول راوی اسحاق بن بُزرج نہ ہوتا تو میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتا۔'' اس راوی کے متعلق میزان الاعتدال' ج۱' ص۱۸۴ میں لکھا ہے:** ضعفه الازدى **''اسے ازدی نے ضعیف قرار دیا ہے''۔ واللہ اعلم!**

(۳) جامع الترمذى، ابواب العيدين، باب ما جاء فى الاكل يوم الفطر قبل الخروج (نحوه) **ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے۔**

③ **عید کی رات سے تکبیرات کہنا شروع کرنا چاہیے:** عید الاضحیٰ میں ایامِ تشریق کے آخر تک تکبیرات کہی جائیں اور عید الفطر کے موقع پر اُس وقت تک جب کہ امام نماز پڑھانے کے لیے آ جائے۔ تکبیرات کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

''اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اللہ سب سے بڑا ہے' اللہ سب سے بڑا ہے' اور تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں''۔

عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیرات کہنے کی زیادہ تاکید ہے۔ اسی طرح ایّامِ تشریق کے تینوں دنوں میں (۱) فرض نمازوں کے بعد تکبیرات کی زیادہ تاکید ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ﴾ (البقرة:۲۰۳)

''اور گنتی کے چند دن اللہ کو یاد کرو۔''

اور فرمایا:

﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵﴾ (الاعلیٰ)

''اور اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا' پھر نماز پڑھی۔''

اور ارشاد ہے:

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ......﴾ (البقرة:۱۸۵)

''اور تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔''

④ **عیدگاہ کو ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا:** جنابِ رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک اسی طرح ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب عید کا دن ہوتا تھا تو نبی ﷺ (نماز سے واپسی پر) راستہ تبدیل فرماتے تھے''۔ (۲)

⑤ **کھلی جگہ میں نماز ادا کرنا:** البتہ بارش وغیرہ کے عذر کی وجہ سے مسجد میں ادا کی جا سکتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہمیشہ صحرا میں نماز ادا کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) یعنی ذوالحجہ کو گیارہ' بارہ اور تیرہ تاریخ کو۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب العیدین' باب من خالف الطریق اذا رجع یوم العید۔

(۳) صحیح البخاری' کتاب العیدین ''باب استقبال الامام الناس فی خطبة العید'' کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''جناب رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ کے دن بقیع میں تشریف لے گئے اور دو رکعتیں پڑھائیں' پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا......''

⑥ مبارک باد دینا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان سے کہے: تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكَ ''اللہ تعالیٰ ہم سے بھی قبول فرمائے اور آپ سے بھی''۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید کے دن جب ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ(۱)

⑦ کھانے پینے اور جائز تفریح میں عام معمول کی نسبت توسّع اختیار کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھے: کیونکہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۲)

''ایامِ تشریق کھانے پینے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو (مدینہ کے) لوگوں کے ہاں دو دن (معروف) تھے' جن میں وہ خوشی مناتے تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْاَضْحٰى))(۳)

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے بدلے ان سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں' فطر کا دن اور ضحیٰ کا دن''۔

ایک بار عید کے دن دو لڑکیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کچھ اشعار گا رہی تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں روکنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((يَا اَبَابَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَاِنَّ الْيَوْمَ عِيْدُنَا))(٤)

''ابوبکر! ہر قوم کی کوئی عید ہوتی ہے' اور آج کے دن ہماری عید ہے۔''

ج) نمازِ عید کا طریقہ:

نمازِ عید کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ تکبیریں کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف چلیں۔ پھر جب سورج چند میٹر بلند ہو جائے تو امام کھڑا ہو کر ——— بغیر اذان اور بغیر اقامت کے ——— دو رکعت نماز پڑھائے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ سمیت سات تکبیریں کہے اور امام کی اقتداء

(۱) مسند احمد۔ اس کی سند جید ہے۔ السنن الکبریٰ للبیهقی' کتاب صلاة العیدین' باب ما ورد فی قول الناس یوم العید بعضهم لبعض تقبل الله منا و منك۔

(۲) صحیح مسلم' کتاب الصیام' باب تحریم صوم ایام التشریق۔

(۳) سنن النسائی' کتاب صلاة العیدین (پہلی حدیث)۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

(٤) صحیح البخاری' کتاب العیدین' باب سنة العیدین لاهل الاسلام۔

کرتے ہوئے نمازی بھی تکبیریں کہتے جائیں۔ پھر جہر سے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاعلیٰ پڑھے۔ دوسری رکعت میں اٹھنے کی تکبیر سمیت چھ تکبیریں کہے اور سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الغاشیہ یا سورۃ الشمس پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر خطبہ دے۔ خطبہ کے درمیان میں تھوڑا سا بیٹھے۔ خطبہ میں مناسب وعظ و نصیحت کرے۔ خطبہ کے دوران بھی وقتاً فوقتاً تکبیرات کہے۔ خطبہ کو اللہ کی حمد و ثناء سے شروع کرے۔ عید الفطر کے موقع پر صدقۂ فطر کی ترغیب دلائے اور اس کے مسائل بیان کرے۔ عید الاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کی ترغیب دلائے اور بتائے کہ کس عمر کے جانور کی قربانی درست ہے۔ جب خطبہ سے فارغ ہو جائے تو اس کے ساتھ ہی نمازی بھی عید گاہ سے واپس چل پڑیں۔ کیونکہ اس نماز سے پہلے یا بعد کوئی سنت یا نفل وغیرہ نہیں۔ البتہ جس شخص کی عید کی نماز فوت ہو جائے اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ وہ چار رکعت ادا کرے۔ لیکن جس شخص کو امام کے ساتھ نمازِ عید کا تھوڑا حصہ بھی مل جائے' اگرچہ تشہد ہی ملے' تو اسے چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر دو رکعت نماز ادا کرے۔ جس طرح کہ اس کی نماز فوت ہوئی تھی بالکل اسی طرح ادا کرے۔

۱۳) سورج گرہن کی نماز

① حکم اور وقت:

گرہن کی نماز مَردوں اور عورتوں سب کے حق میں سنت مؤکدہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اس کا حکم دیا ہے:

((اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ لَا یَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهٖ' فَاِذَا رَاَیْتُمْ ذٰلِکَ فَصَلُّوْا))(۱)

''بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انہیں کسی کے مرنے جینے سے گرہن نہیں لگتا۔ جب تم یہ چیز (گرہن) دیکھو تو نماز پڑھو۔''

اس کی ادائیگی نمازِ عید کی طرح (سنت مؤکدہ) ہے' اس کا وقت سورج یا چاند میں گرہن کی کیفیت ظاہر ہونے سے لے کر گرہن ختم ہونے تک ہے۔ اگر سورج گرہن دن کے آخری حصہ میں لگے جس وقت نماز پڑھنا سخت مکروہ ہے تو نماز کے بجائے اللہ کا ذکر' استغفار

(۱) صحیح البخاری' کتاب صلاۃ الکسوف' باب الصلاۃ فی کسوف الشمس۔

اور دعا کی جائے۔

② گرہن کے موقع پر مستحب عمل:

اس موقع پر بکثرت ذکر، تکبیر، استغفار کرنا اور دعائیں مانگنا مستحب ہے۔ اس کے علاوہ صدقہ دیا جائے، غلام آزاد کیے جائیں اور نیکی اور صلہ رحمی کے دوسرے کام کیے جائیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ، فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا))(۱)

''سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انہیں کسی کے مرنے جینے سے گرہن نہیں لگتا، جب تم یہ (گرہن) دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور تکبیریں کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ دو''۔

③ نمازِ کسوف کا طریقہ:

اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ اس نماز کے لیے اذان نہیں کہی جاتی، نہ اقامت ہوتی ہے۔ البتہ ''اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ'' (نماز جمع کرنے والی ہے، نماز کے لیے جمع ہو جاؤ) کے الفاظ سے اعلان کیا جا سکتا ہے۔ امام لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائے، ہر رکعت میں دو بار رکوع اور دو بار قیام کرے۔ لمبی قراءت کرے، اور رکوع اور سجدے بھی خوب لمبے کرے۔ اگر نماز کے دوران گرہن ختم ہو جائے تو باقی نماز عام نوافل کی طرح مکمل کر لی جائے۔

نماز کسوف میں جمعہ یا عید کی طرح خطبہ نہیں دیا جاتا۔ البتہ اگر امام لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا چاہے تو بہتر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ (نماز پڑھانے کے لیے) کھڑے ہو گئے اور اللہ اکبر کہا، لوگوں نے بھی آپؐ کے پیچھے صفیں بنا لی تھیں (انہوں نے بھی نماز شروع کر دی)۔ رسول اللہ ﷺ نے طویل قراءت فرمائی، پھر اللہ اکبر کہا اور طویل رکوع کیا جو قراءت سے کم طویل تھا۔ پھر آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور کہا سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ، رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، پھر آپ ﷺ نے قیام فرمایا اور طویل قراءت کی جو

(۱) صحيح البخاری، كتاب صلاة الكسوف، باب الصدقة فی الكسوف۔

پہلی قراءت سے کم تھی' پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ' رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہا' پھر آپ ﷺ نے دو سجدے کیے۔ پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا فرمائی۔ اس طرح کل چار رکوع اور چار سجدے ہوئے۔ حضور ﷺ کے (نماز سے) فارغ ہونے سے پہلے سورج روشن ہو چکا تھا (اور گرہن ختم ہو چکا تھا)۔ نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے خطاب فرمایا' آنحضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرمائی جس طرح اللہ کی شان کے لائق ہے' پھر فرمایا:

((اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُمَا فَافْزَعُوْا لِلصَّلَاةِ))(۱)

''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' انہیں کسی کے مرنے یا جینے سے گرہن نہیں لگتا' جب تم انہیں (گرہن کی حالت میں) دیکھو تو نماز کی طرف جلدی کرو''۔

④ چاند گرہن:

چاند گرہن کے وقت بھی نماز کا وہی طریقہ ہے جو سورج گرہن کے وقت ہے' کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَافْزَعُوْا لِلصَّلَاةِ))(۲)

''جب تم اسے دیکھو تو نماز کی طرف جلدی کرو''۔

البتہ بعض علماء کا خیال ہے کہ چاند گرہن کی نماز عام نوافل کی طرح ادا کرنی چاہیے' یعنی مسجدوں اور گھروں میں اکیلے اکیلے بغیر جماعت کے ادا کی جائے' کیونکہ احادیث میں جس طرح سورج گرہن کے وقت باجماعت نماز کا ذکر ہے چاند گرہن کے موقع پر اس طرح باجماعت نماز مذکور نہیں۔

بہرحال اس مسئلہ میں یہ گنجائش موجود ہے' جو چاہے جماعت سے پڑھ لے' جو چاہے اکیلا پڑھ لے۔ مقصد تو یہ ہے کہ مسلمان مرد اور عورتیں نماز اور دعا کے ذریعے اللہ کی طرف توجہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے مصائب کو ٹال دے۔

---

(۱) صحيح مسلم' كتاب الكسوف' باب صلاة الكسوف۔ وصحيح البخاری' كتاب الكسوف' باب هل يقول كسفت الشمس او خسفت (نحوه)

(۲) صحيح البخاری' كتاب الكسوف' باب خطبة الامام فی الكسوف۔

۱۴) نمازِ استسقاء

① استسقاء کا مفہوم:

استسقاء کا مطلب یہ ہے کہ بارش نہ ہونے اور قحط کے موقع پر نماز اور دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جائے کہ وہ اپنے بندوں اور آبادیوں کو پانی عطا فرمائے۔ اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کی دعا کی جائے۔

② نمازِ استسقاء کا حکم:

یہ نماز سنت مؤکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی یہ نماز ادا فرمائی اور سب لوگوں کے ساتھ ادا فرمائی' اور اس کی ادائیگی کے لیے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ''جناب رسول اللہ ﷺ استسقاء کے لیے باہر تشریف لے گئے' آپ ﷺ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی چادر پلٹائی' پھر دو رکعت نماز ادا کی اور بلند آواز سے قراءت فرمائی''۔ (۱)

③ اس کا وقت:

اس نماز کا وقت وہی ہے جو عید کی نماز کا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ اس کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے جب کہ سورج کا کنارہ طلوع ہوا تھا''۔ (۲)

ویسے یہ نماز مکروہ اوقات کے علاوہ کسی بھی وقت ادا کی جاسکتی ہے۔

④ نماز سے پہلے:

مستحب یہ ہے کہ امام چند دن قبل اس نماز کے لیے دن مقرر کر کے اس کا اعلان کر دے اور عوام کو اِس بات کی ترغیب دے کہ گناہوں سے توبہ کریں' ایک دوسرے پر جو زیادتیاں کی

(۱) صحیح البخاری' ابواب الاستسقاء' باب الجهر بالقراءة فی الاستسقاء۔ وصحیح مسلم' کتاب صلاة الاستسقاء' باب صلاة الاستسقاء (**صحیح مسلم کی روایت میں بلند آواز سے قراءت کا ذکر نہیں**)

(۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاه جُمّاع' ابواب صلاة الاستسقاء وتفریعها' باب رفع الیدین فی الاستسقاء۔ ومستدرك حاکم' کتاب الاستسقاء' باب دعاء الاستسقاء وصلاته۔ **امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔**

ہیں ان کی تلافی کریں' روزہ رکھیں' صدقہ دیں اور باہمی ناراضگیاں ختم کر دیں' کیونکہ گناہوں کی وجہ سے خشک سالی مسلط ہوتی ہے'(۱) جبکہ نیکیوں سے نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور برکت نازل ہوتی ہے۔

⑤ اس کا طریقہ:

امام عوام الناس کو لے کر عیدگاہ میں جائے اور انہیں دو رکعت نماز پڑھائے۔ اگر چاہے تو نمازِ عید کی طرح پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں بھی کہے۔ پہلی رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیۃ پڑھے۔ پھر لوگوں کی طرف مُنہ کر کے خطبہ دے۔ خطبہ میں بکثرت استغفار کرے۔ پھر دعا کرے اور مقتدی ''آمین'' کہتے جائیں۔ پھر قبلہ کی طرف مُنہ کر لے' اپنی چادر پلٹائے' یعنی اس کا دایاں حصہ بائیں طرف اور بائیں طرف کا حصہ دائیں طرف کرے۔ مقتدی بھی اپنی اپنی چادریں پلٹائیں۔ پھر کچھ دیر دعا مانگتے رہیں۔ اس کے بعد واپس ہو جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبی ﷺ بارش مانگنے نکلے' اور ہمیں بغیر اذان اور اقامت کے دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر ہمیں خطبہ دیا اور اللہ سے دعا کی۔ پھر چہرۂ مبارک قبلہ کی طرف کر لیا اور آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر اپنی چادر پلٹائی تو دایاں حصہ بائیں طرف اور بایاں حصہ دائیں طرف کر لیا۔(۲)

⑥ نمازِ استسقاء کے بعد دعا:

احادیث میں استسقاء کے وقت حضور ﷺ کی یہ دعائیں وارد ہیں:

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مُرِيْعًا غَدَقًا مُجَلِّلاً عَامًّا طَبَقًا سَحًّا دَائِمًا' اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِيْنَ' اَللّٰهُمَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ

---

(۱) ارشادِ نبویؐ ہے: ''جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے اس پر قحط' روزی کمانے میں مشقت اور ظالم سلطان مسلط کر دیا جاتا ہے' اور جو قوم مالوں کی زکوٰۃ دینا بند کر دیتی ہے اس سے بارش روک لی جاتی ہے۔ اگر جانور نہ ہوں تو اُن پر (کبھی) بارش نہ ہو''۔ (ابن ماجہ)

(۲) مسند احمد۔ و سنن بیهقی' کتاب صلاة الاستسقاء' باب الدلیل علی ان السنة فی صلاة الاستسقاء السنة فی صلاة العیدین۔ و سنن ابن ماجه' کتاب الصلاة' باب ما جاء فی صلاة الاستسقاء۔

وَالْبَهَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّاوَاءِ وَالْجَهْدِ وَالضَّنْكِ مَا لَا نَشْكُوْهُ اِلَّا اِلَيْکَ ، اَللّٰهُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَاَدِرْ لَنَا الضَّرْعَ وَاسْقِنَا مِنْ بَرَکَاتِ السَّمَآءِ وَاَنْبِتْ لَنَا مِنْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ ، اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجَهْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْیَ ، وَاکْشِفْ عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَا لَا یَکْشِفُهُ غَیْرُکَ ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُکَ ، اِنَّکَ کُنْتَ غَفَّارًا وَاَرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْنَا مِدْرَارًا ، اَللّٰهُمَّ اَسْقِ عِبَادَکَ وَبَهَائِمَکَ وَانْشُرْ رَحْمَتَکَ وَاَحْیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ(۱)

''اے اللہ! ہمیں پانی پلا، ایسی بارش (نازل فرما) جس سے ہماری فریادرسی ہو جائے، اچھے انجام والی، رزق کی فراوانی لانے والی، بہت پانی والی، چھا جانے والی، ہر جگہ برسنے والی۔ اے اللہ! ہمیں بارش دے اور ہمیں مایوس نہ فرما۔ اے اللہ! بندوں کو، شہروں کو، مویشیوں کو اور تمام مخلوق کو ایسی مصیبت، مشقت اور تنگی نے آ لیا ہے جس کی شکایت ہم صرف تجھی سے کر سکتے ہیں۔ اے اللہ! ہمارے لیے فصلیں اگا اور مویشیوں کا دودھ عنایت فرما۔ آسمان کی برکتوں سے ہماری پیاس بجھا اور زمین کی برکتیں ہمارے لیے اُگا۔ اے اللہ! ہم تجھ سے مغفرت مانگتے ہیں، یقیناً تو بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے، ہم پر آسمان کو برسنے والا بنا کر بھیج دے۔ اے اللہ! اپنے بندوں اور چوپایوں کو پانی پلا دے، اور اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنے مردہ شہروں کو زندہ کر دے''۔

جب بارش ہوتی تھی تو آنحضرت ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ سُقْیَا رَحْمَةٍ وَلَا سُقْیَا عَذَابٍ وَلَا بَلَاءٍ وَلَا هَدْمٍ وَلَا غَرَقٍ ، اَللّٰهُمَّ عَلَی الضِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ ، اَللّٰهُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا(۲)

---

(۱) سنن ابن ماجه، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة الاستسقاء **(مختصراً) اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔**

(۲) مسند شافعی۔ **اس دعا کے اکثر الفاظ صحیحین میں موجود ہیں۔ دیکھئے** صحیح البخاری، ابواب الاستسقاء، باب من تمطر فی المطر حتی یتحادر علی لحیته۔ وصحیح مسلم، کتاب صلاة الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء۔

قرآن کریم سے دُوری کے اسباب

آج اور کل

مرتب: حافظ محبوب احمد خان

قرآن ابدی، ارفع اور اعلیٰ صداقتوں کا حامل ہے۔ اس میں مضامین کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ انسان جو ''وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ'' کا دعویٰ نہ کرے، اور صراطِ مستقیم کا طالب ہو تو نہ صرف ''اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کی راہ پالیتا ہے بلکہ ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کے راستے سے بھی اپنا دامن بچالیتا ہے۔ قرآن اپنی بات کی وضاحت کے لیے جہاں اصحابِ عقل و دانش کو انفس و آفاق میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہاں عام انسانوں کو سرکش اقوام پر سرکشی کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے نازل کردہ عذاب کو بھی بیان کرتا ہے۔

قرآن کا یہ طریقہ بالکل فطری ہے۔ انسان کی نفسیاتی تشکیل ہی اس طرح کی گئی ہے کہ ''تبشیر'' کے ساتھ ساتھ ''تخویف'' بھی ناگزیر ہے۔ تبشیر سے مراد ہے ماننے والوں کے لیے انعامات کی خوشخبری کا بیان۔ اس کی دو اقسام ہوتی ہیں۔ ایک تبشیر دُنیوی اور دوسری تبشیر اُخروی۔ اسی طرح دعویٰ منوانے کے لیے قرآن مجید میں جا بجا اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اسے تخویف یا ڈراوا کہتے ہیں۔ اس کی بھی تبشیر کی طرح دو اقسام ہیں۔ اگر گرفت کا تعلق دنیا سے ہو تو وہ تخویف دُنیوی ہوگی اور اگر اس کا تعلق آخرت سے ہو تو وہ تخویف اُخروی ہوگی۔ شاہ ولی اللہؒ نے ان دونوں اصطلاحوں کو اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''الفوز الکبیر'' میں تذکیر بایام اللہ اور تذکیر بآلاء اللہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تخویف و تبشیر کے بغیر معتدل انسانی شخصیت کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر نظامِ تعلیم میں تربیت اور تعمیر کردار کے لیے یہ دونوں طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ قرآن کریم انسانی نفسیات کی ان الجھنوں، حجابات اور ضلالتوں کو

بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے جن کو دور کیے بغیر اس کی تعلیمات سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ یہ بھی عجیب المیہ ہے کہ یہ ضلالتیں' حجابات اور اُلجھنیں ہر دور میں اور ہر معاشرے میں موجود رہی ہیں' جس طرح آج سے چودہ سو برس قبل کے عرب معاشرے میں موجود تھیں۔ البتہ نسبت وتناسب کا فرق ہوسکتا ہے۔ اس مضمون میں ان ہی الجھنوں اور حجابات کو زیر بحث لانے کی کوشش کی گئی ہے جو انسان اور قرآن کے درمیان حائل ہیں۔

۱) آباء واَجداد کی اندھی تقلید

ان الجھنوں میں سب سے پہلی الجھن باپ داداؤں کی اندھی تقلید ہے' جو صرف اس بنا پر کی جاتی ہے کہ آباء واجداد کو بہرحال ہر معاشرے میں ایک تقدس حاصل رہا ہے۔ اولاد کے لیے اوّلین نمونہ اس کے والدین ہی ہوتے ہیں۔ جس طرح وہ عمل کرتے ہیں اولاد بھی اسی طرح عمل کرتی چلی جاتی ہے' اور بالآخر یہ اعمال اس کی شخصیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔ کبھی یہ کوشش ہی نہیں کی جاتی کہ جو اعمال دین کے نام پر ہم کرتے چلے جارہے ہیں' ان پر غور وفکر کرلیا جائے کہ آیا یہ واقعتاً دین کا حصہ ہیں اور ہم سے مطلوب ہیں یا محض ہم اس لیے کرتے جا رہے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اس کو انجام دیتے آئے ہیں! قرآن کریم نے بار بار انسان کو دعوت دی ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر غور وفکر کرے کہ اللہ کی عطا کردہ ہر صلاحیت کی اس سے پوچھ گچھ کی جانی ہے' لہٰذا اپنے ہر عمل کو علم کی بنیاد پر پرکھے۔ اللہ کے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو دعوتِ حق کے معاملے میں جن اسباب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ان میں ایک عنصر باپ داداؤں کی اندھی تقلید تھی۔ اس سلسلے میں قرآن کریم نے تاریخ سے بکثرت مثالیں پیش کی ہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام جب اپنی قوم کو اصلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں تو ان کی قوم تمام دلیلوں اور نصیحتوں کے ردّ میں ایک ہی جواب دیتی ہے کہ:

﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (الاعراف)

''وہ کہنے لگے (اے ہود!) کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت[1]

(۱) واضح رہے کہ قرآن کریم میں زیادہ تر عبادت کے دو فرد بیان کیے گئے ہیں' پکار اور نذر و نیاز۔ علامہ ابن القیم الجوزیہ نے مدارج السالکین میں عبادت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: العبادة عبارة عن الاعتقاد والشعور بان للمعبود سلطة غيبية (اى فى العلم والتصرف) ◀◀

کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان (معبودوں) کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا؟ سو لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو''۔

آیئے ایک اور مثال حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم سے لیتے ہیں:

﴿قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ﴾ (ھود)

''قوم نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا ؟ یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں؟ (ازراہ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو!''

ان مثالوں کو پیش کرتے ہوئے قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ تمام جاہل قوموں نے اپنے انبیاء کی دعوت کو اسی باطل دلیل سے ردّ کیا ہے۔ یہ مثالیں اصلاً تو قریش اور اہل عرب کو متنبہ کرنے کے لیے پیش کی گئیں کہ تم بھی انہی لوگوں کی طرح ہو نہ خود اپنی عقل سے کام لے کر یہ سوچتے ہو کہ جس مذہب کی تم پیروی کر رہے ہو یہ صحیح بھی ہے یا نہیں اور نہ دلیل و حجت کے ساتھ تمہارے مذہب' رسوم اور اطوار کی جو غلطی تمہیں سمجھائی جاتی ہے اس پر کچھ غور و فکر کرتے ہو' بس صرف اس وجہ سے ایک غلط چیز پر اصرار کر رہے ہو کہ یہ باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے' لیکن ان مثالوں میں ہمارے لیے بھی سبق ہے' اس لیے کہ یہی ہمارا حال ہے کہ جی یہ ہمارا کلچر ہے' ہماری تہذیب ہے' ہمارے بزرگوں کی جاری کی ہوئی رسومات ہیں۔ اگر ہم سنجیدگی کے ساتھ اپنی معاشرتی زندگی پر نظر ڈالیں تو بے تحاشا رسومات کو صرف اس لیے تقدس دے دیا گیا ہے کہ ہمارے بزرگ ان کو ادا کرتے رہے ہیں۔

۲) سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کی بے جا پیروی

گمراہی کا ایک اور سبب جس کی قرآن کریم نے نشاندہی کی ہے' اپنے معاشرے کے مذہبی پیشواؤں' احبار و رہبان اور سیاسی لیڈروں کی' یہ دیکھے بغیر کہ وہ کدھر جا رہے

◀◀ فوق الاسباب یقدر بها الی النفع والضرر فکل دعاء وثناء ونداء وتعظیم ینشأ من هذا الاعتقاد فهی عبادة. زیادہ تر اقوام انہی دو شرک یعنی شرک فی الدعاء اور شرک فعلی میں مبتلا رہیں۔

ہیں، صرف اس بنا پر پیروی کیے جانا کہ وہ بڑے لوگ ہیں۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر ایسے لوگوں کی تصویر کشی کی ہے جو قیامت کے روز انتہائی حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾﴾ (البقرة)

''(خیال کرو) جب بیزار ہو جائیں گے وہ جن کی اتباع کی گئی ان سے جو اتباع کرتے رہے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے اتباع کرنے والے کہ کاش! ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے وہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے۔ یونہی دکھائے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کے (برے) اعمال کہ باعثِ پشیمانی ہوں گے ان کے لیے، اور وہ (کسی صورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے۔''

روزِ قیامت اُن کے درمیان ہونے والا مکالمہ قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿...وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضِ نِ الْقَوْلَ ۚۖ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْۤ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ (سبا)

''کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے ربّ کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے کہیں گے اُن لوگوں سے جو بڑے بنا کرتے تھے، اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ متکبران کمزوروں کو جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں روکا

تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نورِ ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا؟ درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے کہیں گے کہ (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکروفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا' جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بُتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور عذاب کو دیکھیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے)۔ کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو یہ کیا کرتے تھے؟''

کسی بھی معاشرے کی تباہی میں جو طبقہ نمایاں کردار ادا کرتا ہے وہ یہی ایلیٹ کلاس ہوتی ہے' یعنی اونچے مرتبے کے کھاتے پیتے' خوشحال لوگ۔ جب کوئی قوم دنیا میں اپنی شامتِ اعمال کے باعث پکڑ میں آتی ہے تو یہی طبقہ فسق و فجور پر اتر آتا ہے۔ زنا کاری و فحاشی کے بازار گرم ہو جاتے ہیں اور دولت کی نمائش اور اسراف و تبذیر کا معاملہ بہت تیزی سے اس طبقے کے ساتھ ساتھ نچلے طبقات میں بھی سرایت کر جاتا ہے اور آخر کار یہی فتنہ قوم کو لے ڈوبتا ہے۔ قرآن نے اپنے اس قانون کو سورۂ بنی اسرائیل میں واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے:

﴿وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾﴾

''اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو (اس کے گناہوں کے باعث) تو (پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں' مگر وہ (اُلٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں' پس واجب ہو جاتا ہے اُس بستی پر (عذاب کا) فرمان' پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔''

اب ہمیں اس آئینے میں اپنی تصویر بھی دیکھ لینی چاہیے کہ ہم نے دولت کے اسراف و تبذیر کی خاطر کس قدر رسومات کی بھرمار کی ہوئی ہے۔ ان طبقوں کے ساتھ ساتھ نچلے غریب طبقات یعنی محرومین بھی ان رسومات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں' چاہے انہیں حصولِ دولت کے لیے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑیں۔ اس کی واضح مثال پاکستان میں شادی بیاہ کی رسومات پر مستزاد بسنت' فوڈ فیسٹیول' ویلنٹائن ڈے جیسے تہوار ہیں جو ہمارے معاشرے میں آکاس بیل کی طرح بڑھتے جا رہے ہیں۔

۳) غرور و تکبر

تیسری گمراہی انبیاء کی دعوت کے مقابلے میں مخاطبین کا غرور و تکبر ہے۔ ایسا شخص جسے معاشرے میں سیاسی و مذہبی قیادت حاصل تو اسے نبی کی دعوت قبول کرنے میں یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ اس کا یہ مقام و مرتبہ گھٹ جائے گا یا چھن جائے گا۔ اسی خطرے کے پیش نظر وہ دعوت کو حق سمجھتے ہوئے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ قرآن کریم نے اس سبب ضلالت کو بار بار لوگوں کے سامنے پیش کیا تا کہ اُن کا اپنا غرور بھی ٹوٹ جائے اور جو علمبردارانِ ضلالت و گمراہی ہیں وہ بھی اس سبب سے واقف ہو جائیں کہ یہ سبب پہلے زمانے میں بھی حق کا راستہ روکنے والا تھا۔ درحقیقت یہ بات سمجھنے کی ہے کہ جس طرح ہدایت کے مدارج (۱) ہوتے ہیں اسی طرح ضلالت کے بھی مدارج و مراحل (۲) ہوتے ہیں۔ دعوتِ حق کا یہ انکار ضلالت و گمراہی کے چوتھے درجہ میں آتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جب انسان سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول قرآن بیان

---

(۱) ہدایت کے معنی اراء ۃ الطریق، راہ نمودن، یعنی راہ دکھانا اور ایصال الی المطلوب، بمنزل رسانیدن، یعنی منزل مقصود تک پہنچانے کے ہیں۔ اس کے چار درجات ہیں: (۱) انابت یعنی رجوع الی اللہ۔ (۲) سیدھی راہ پانا۔ یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ (۳) استقامت: تیسرا درجہ استقامت کا ہے۔ جب ایک آدمی کو ہدایت حاصل ہو جاتی ہے اور اسے صراط مستقیم مل جاتا ہے تو اب وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلتا ہے اور اس پر قائم رہتا ہے۔ (۴) ربط القلب: یہ درجہ رسوخ ایمان اور یقین کی پختگی کا سب سے اونچا اور بلند مقام ہے۔ یہ مقام اصحاب کہف اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا۔

(۲) ہدایت کی طرح گمراہی کے بھی چار درجے ہیں: (۱) ریب و شک: یہ درجہ گمراہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ (۲) ضلالت: توحید اور دین حق سے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اور وہ کسی کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو آدمی ضلالت اور گمراہی میں جا گرتا ہے اور راہِ حق کو چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ (۳) جدال: ضلالت کے بعد جدال کا درجہ ہے۔ گمراہی کے بعد گمراہ شخص اپنے باطل نظریات اور غلط عقائد کو حق اور صحیح ثابت کرنے کے لیے اہل حق سے جھگڑا اور مجادلہ کرتا ہے اور ضد و عناد سے ہر حق بات کو رد کر دیتا ہے۔ (۴) مہر جباریت یا ختم علی القلب: یہ وہ کیفیت ہے جب آدمی گمراہی کے اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا راہِ راست پر آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس درجہ میں اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔

کرتا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمۡ یَزِدۡهُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَاِنِّیۡ كُلَّمَا دَعَوۡتُهُمۡ لِتَغۡفِرَ لَهُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَهُمۡ وَاَصَرُّوۡا وَاسۡتَكۡبَرُوا اسۡتِكۡبَارًا ﴿۷﴾﴾

''نوح (علیہ السلام) نے عرض کی اے میرے ربّ! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔ لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔ اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے تو (ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اَڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے۔''

یعنی تکبر اور جباریت کی ہوا جس دل میں بھر جاتی ہے پھر اُس کے دروازے ہر کلمۂ نصیحت اور ہر قولِ حق کے لیے بند ہو جاتے ہیں اور اللہ پھر اس پر لعنت[1] کی ایسی مہر لگا دیتا ہے کہ خواہ کوئی اسے راہِ راست پر لانے کی کتنی ہی کوشش کرے' وہ کسی طرح سیدھا نہیں ہوتا۔

۴) خواہش نفس اور قیاس وگمان کی پیروی

گمراہی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انسان ہر دور میں اپنی خواہشات اور قیاس وگمان کو ہی پوجتا آیا ہے۔ اپنی خواہشات کے مطابق ہی حق کو باطل اور باطل کو حق گمان کر لیتا ہے۔ جدھر خواہشات لے جاتی ہیں خراماں خراماں اُدھر جاتا ہے اور اسے کبھی خدا کی دی ہوئی عقل' بصارت' سماعت جیسی صلاحیتوں سے استفادے کا خیال ہی نہیں آتا کہ اللہ نے مجھے یہ نعمتیں کس لیے عطا کی ہیں۔ قرآن کریم نے بار بار ایسے انسانوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ خواہشات کی وادیوں میں بھٹکنے کے بجائے عقل وخرد کی سیدھی راہ پر آ جائیں' اور ان صلاحیتوں کا درست استعمال کریں۔ سورۃ الاعراف میں ایک شخص کی مثال پیش کی گئی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم بھی دیا اور بزرگی وکرامت بھی' مگر وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں جو لگا تو قرآن نے پھر اس کو ''دنیا کے کتے'' کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد ربانی ہے:

---

(۱) لعنت کہتے ہیں کسی کو انتہائی توہین کے ساتھ بددعا دینا۔ یہ صلوٰۃ کا مدمقابل لفظ ہے جس کا معنی ہے کسی کو انتہائی احترام کے ساتھ دعا دینا۔ جب یہ لفظ (لعنت) اللہ کی لعنت کے معنوں میں آتا ہے تو اس سے مراد ہوتا ہے عملاً رحمت سے محروم کر دینا۔

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

''اور پڑھ سنایئے انہیں حال اس کا جسے دیا ہم نے (علم) اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے۔ تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان' تو ہو گیا وہ گمراہوں میں' اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث' لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا اپنی خواہش کی' تو اس کی مثال کتے جیسی ہے' اگر تو اس پر بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو تب بھی ہانپے۔''

کیا آج ہماری اکثریت اس حال میں زندگی نہیں گزار رہی کہ دنیاوی ترقی کے لیے یہ سب صلاحیتیں بھرپور طریقے سے استعمال کر رہی ہے جبکہ دین کے معاملے میں کان' آنکھ' دماغ غرض ہر وہ چیز جس سے ہدایت کسی طرح اس کے دل میں پہنچ جائے' اس کو بند رکھا ہوا ہے' حالانکہ ان صلاحیتوں کا اصل استعمال دین میں ترقی کے لیے استعمال کرنا ہے نہ کہ دنیا میں ترقی کے لیے۔

۵) دین کے آسان پہلوؤں پر عمل کرنا

دین اسلام میں بلاشبہ ایسی تعلیمات بھی ہیں جن پر انسان آسانی سے عمل کر سکتا ہے' جبکہ ایسی تعلیمات سے بھی دین کا دامن خالی نہیں ہے کہ جن پر عمل کے لیے انسان کو اپنے نفس کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جہاد' قتال' انفاق فی سبیل اللہ' ہجرت' عدل' ایثار' مساوات ایسی تعلیمات ہیں جن کو انسانی نفس آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ جبکہ دین کا معاملہ یہ ہے کہ تنگی میں' آسانی میں' دل چاہے یا نہ چاہے عمل کرنا ہے۔ جان کا نذرانہ دینا آسان کام نہیں ہے۔ اسی طرح مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا' اپنی نسلی' لسانی چوہدراہٹوں کو چھوڑ کر مساوات کے اصول اپنانا بھی آسان نہیں ہے۔ مگر قرآن کا مطالبہ یہی ہے کہ اسلام میں داخلہ ہے تو مکمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن کریم نے سورۃ البقرۃ کی آیات ۴۷ سے ۱۲۳ تک یہودیوں کے جو جرائم گنوائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جزوی دین پر عمل کرتے تھے۔ دین کی مشکل تعلیمات پر یا تو عمل ہی نہیں کرتے تھے یا پھر ان کی شکل اس طرح تبدیلی کر دیتے تھے کہ سختی کا پہلو غائب ہو جاتا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿.....اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ (البقرۃ)

''تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا؟ (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے ایسے نابکار کی تم میں سے' سوائے اس کے کہ رسوا رہے دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن تو انہیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں' اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔''

ہمارے ہاں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے کہ جو جزوی دین کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر قانع اور خوش وخرم ہیں۔ اِس ضمن میں ایک قصہ سن لیجیے کہ کسی نے ایک بے نمازی سے کہا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ اس نے کہا میں قرآن کی اس آیت پر عمل کرتا ہوں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ.....﴾ (النساء:۴۳) ''اے اہل ایمان! نہ قریب جاؤ نماز کے.....''۔ کہا کہ آیت کے اگلے حصہ پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ کہنے لگا: ''میں نے پورے قرآن پر عمل کرنے کا ٹھیکہ نہیں لیا''۔ کچھ لوگوں نے میٹھی میٹھی سنتیں اپنا لی ہیں اور کچھ نے فضائل۔ اوران کی مٹھاس اور فضیلتیں وقتاً فوقتاً بیان کرتے رہتے ہیں۔ جزوی دین پر عمل کسی ایسے مذہب کا تقاضا تو ہوسکتا ہے جو چند مذہبی رسومات' عقائد اور عبادت پر مشتمل ہو مگر اسلام مذہب نہیں' دین ہے اور دین کا تقاضا تو ایک معتدل شخصیت ہے جو سیاست' معیشت' معاشرت' عبادات' اخلاقیات غرض ہر پہلو سے اپنے دین کی نمائندہ ہو۔

۶) دین پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں دنیا کی خرابی

گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی قرآن نے شمار کیا ہے کہ انسان دنیاوی مفادات کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ اگر تجارت میں ایمان داری کا کہا جائے تو بہانہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کاروبار نہیں چل سکتا۔ گویا دین پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں کاروبار میں خسارہ لازمی ہے۔ یہی حالت ہمیں قوم شعیبؑ کی دکھائی دیتی ہے۔ قرآن حکیم نے حضرت شعیب علیہ السلام کی اپنی قوم کو دیانت داری کی تلقین اِن الفاظ میں نقل کی ہے:

﴿.....وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ‌ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۸۶﴾ ﴾ (ھود)

''.....اور نہ کمی کیا کرو ناپ اور تول میں۔ مَیں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر اس دن کا عذاب نہ آ جائے جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹا دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ جو بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیے سے وہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایماندار ہو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان۔''

آپ کی قوم نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

﴿قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِىۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا‌ ؕ اِنَّكَ لَاَنۡتَ الۡحَلِيۡمُ الرَّشِيۡدُ ﴾ (ھود)

''قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انہیں جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا؟ یا نہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں؟ (از راہِ تمسخر بولے) بس تم ہی ایک دانا (اور) نیک چلن رہ گئے ہو؟''

معلوم ہوا کہ یہ قدیم باطل نظریہ ہے کہ تجارت کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اُمت مسلمہ کا ایک بڑا حصہ کاروبار میں یہی طرزِ عمل اپنائے ہوئے ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک جانب ہاتھ میں تسبیح اور زبان پر اللہ اللہ کا ورد ہوتا ہے اور دوسری جانب ٹیکس کی چوری ہوتی ہے' بجلی اور گیس میں چوری کی جا رہی ہوتی ہے اور مزدوروں کے حقوق پر ڈاکہ زنی کی جاتی ہے۔ یہ وہ کردار ہے جو کسی قوم کو معاشی طور پر تباہی کی جانب لے جاتا ہے۔ گرچہ بظاہر خوشحالی نظر آتی ہے مگر صرف مترفین کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ اشرافیہ معاشرے کی دولت اور ملکی وسائل کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرتا چلا جاتا ہے۔ اور دوسری جانب معاشرے کی اکثریت بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوتی چلی جاتی ہے۔ آج اگر دنیا کے کرپٹ ترین ممالک میں مسلم ممالک سرفہرست نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ یہی کاروباری طرزِ عمل ہے۔

۷) برائی کو خوبی سمجھ کر اس پر قانع ہو جانا

شیطان ہر دور میں انسانوں کو مختلف طریقوں سے گمراہ کرتا رہا ہے۔ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ برائی کو خوب سجا کر پیش کرتا ہے۔ چنانچہ انسان اس کی چمک دمک سے حیران ہو جاتا ہے۔ نیکی کے مقابلے میں بدعات معاشروں میں اس قدر تیزی کے ساتھ

پھلتی ہیں کہ ان کی ترقی دیکھ کر انسان یہ گمان کرنے لگ جاتا ہے کہ گویا یہی حق ہے۔ اس کے برعکس معاملہ اہل حق اور نیکی کا ہوتا ہے کہ یہاں حیران وششدر کرنے والی روشنی اور ترقی نہیں بلکہ آہستہ آہستہ انسانی کردار وافعال میں سرایت کرنے والا نور ہوتا ہے۔ ایسے لوگ قابل مذمت ہیں جو برائی کو پھیلانے میں شیطان کے پیروکار بن جاتے ہیں اور حق سے بیگانہ ہوجاتے ہیں۔ ارشاد ربّانی ہے:

﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝﴾ (فاطر)

''پس کیا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اس کا برا عمل اور وہ اس کو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کے لیے آپ آزردہ کیوں ہیں)؟ بیشک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ پس نہ گھلے آپ کی جان ان کے لیے فرطِ غم سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو (کرتوت) وہ کیا کرتے ہیں۔''

پس ہر دم یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ جن اعمال کو ہم دین سمجھ کر کر رہے ہیں آیا قرآن وسنت کی روشنی میں وہی مطلوب ہیں یا ہم ایسے راستے پر گامزن ہیں جو منزل کی طرف نہیں جاتا بلکہ گمراہی وضلالت کی جانب جارہا ہے؟

۸) شفاعتِ باطلہ کا تصور

زمانہ قدیم تر سے ہر دور میں شفاعت باطلہ کا تصور گمراہی کا ایک بڑا سبب رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جس معاشرے میں اپنی دعوت کا آغاز کیا وہ تین قسم کے شرک میں مبتلا تھا۔ شرک فی الدعاء، شرک فعلی یعنی نذر و نیاز، شفاعت قہری[1]۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ تصور جس تیزی سے یہودی معاشرے میں پھیلتا گیا اسی قدر یہودیوں کی معاشی ومعاشرتی زندگی میں

(۱) شفاعت کا یہ باطل تصور یہود میں پوری طرح سرایت کر چکا تھا کہ ہمارے آباء واجداد جو اللہ کے پیارے اور برگزیدہ پیغمبر تھے، وہ ہمیں خدا کے عذاب سے بچالیں گے اور ہمارے حق میں خدا کو ان کی سفارش ماننی پڑے گی۔ جہاں تک شفاعت بالاذن کا تعلق ہے وہ قرآن وحدیث کی روشنی سے ثابت ہے لہٰذا اس میں اختلاف کی کوئی بات نہیں ہے۔

گھن لگتا گیا ۔ جہاں اُن کی معاشرتی زندگی کی بنیادیں اُکھڑتی چلی گئیں وہیں معاشی معاملات میں بھی وہ بددیانت اور ایک دوسرے کے استحصال کرنے میں شیر ہوتے گئے۔ نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے باوجود اُن کے اس دعوے کے کہ ''ہم خدا کے چنیدہ ہیں'' انہیں اس قدر شدید عذابوں سے دوچار کیا کہ لاکھوں افراد بخت نصر اور ٹائٹس رومی کے حملوں میں مارے گئے اور لاکھوں دربدر ہوئے۔ شفاعت کے اس تصور باطلہ کی آیۃ الکرسی کی صورت میں قرآن کریم نے پوری طرح بیخ کنی کی ہے:

﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾﴾ (البقرۃ)

''اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے' زندہ ہے' سب کو زندہ رکھنے والا ہے' نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند' اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اُس کی جناب میں سفارش کر سکے بغیر اس کی اجازت کے! جانتا ہے جو اُن سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو اُن کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے۔ سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا۔''

یہودیوں کے باطل عقائد کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورۃ البقرۃ میں قرآن کریم نے ان کی ایک ایک خباثت کا ذکر کر کے اس کا ردّ کیا ہے۔ ان کے باطل عقائد اور جرائم کا آغاز آیت ۴۰ سے لے کر ۱۲۳ تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کے چیدہ چیدہ جرائم کی فہرست کچھ یوں بنتی ہے: اللہ تعالیٰ سے نقض عہد' کتمانِ حق' حق و باطل کی تلبیس' تورات کے ذریعے دنیاوی فوائد کا حصول' تورات کے احکام میں امراء اور فقراء کے لیے تمیز' بچھڑے کی عبادت کرنا' فلسطین کے ایک شہر میں داخلے کے وقت استغفار کے کلمات کو بدل دینا' من وسلویٰ کی آسمانی نعمت کو بدل کر ادنیٰ چیزوں کا مطالبہ' تکذیب انبیاء کے ساتھ ساتھ قتل انبیاء کا ارتکاب' سبت کے حکم کی خلاف ورزی' گائے کے معاملہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جرح'

مقتول کے قاتل کو چھپانا' آپس میں ظلم وفساد' دین کے احکام میں تفریق کرنا' تفریق بین الرسل کرنا' خود کو صاحب علم جان کر نبی اکرم ﷺ کی دعوت سے اعراض کرنا' کوہ طور پر فرمانبرداری کا اعلان کرنے کے بعد معصیت اختیار کرنا' جبریل امین سے دشمنی' حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادو کا الزام' نبی اکرم ﷺ کو ذومعنی الفاظ سے خطاب کرنا' خود کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھنا' حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کو غلط رخ دینا۔ یہ وہ نافرمانیاں اور جرائم ہیں جن کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بار بار مستحق ہوئے۔

۹) یہ زعم کہ ہمارے دل علوم سے بھرے ہوئے ہیں

سابقہ اقوام میں یہ طرزِ عمل بھی رہا ہے اور قرآن کریم نے اس کو یہودیوں کے حوالے سے نمایاں کیا ہے۔ ان کے سردار' امراء' ان کے صاحبِ اقتدار لوگ خود کو انبیاء کے مقابلے میں زیادہ صاحب علم گردانتے تھے۔ یہودیوں کو اس بات کا غرہ تھا کہ وہ نبیوں کی اولاد اور حامل تورات ہیں' لہٰذا انہیں تو کسی علم کی ضرورت ہی نہیں۔ عرب معاشرے میں بھی یہی بات سرایت کر گئی تھی کہ ہمیں کسی نئے علم وآگہی کی کیا ضرورت! لہٰذا ان کو بھی یہودیوں کی دیکھا دیکھی یہ غرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ جب کوئی قوم یا فرد بزعمِ خویش خود کو صاحب علم قرار دے' اور اس پر اترائے تو پھر اس بات کا امکان کہاں رہتا ہے کہ وہ علم سیکھے اور حق بات جاننے کی کوشش کرے۔ یہودیوں کو یہی دھوکہ تھا جس کو وہ اپنی طرف سے عظمت سمجھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو قرآن کریم میں بیان فرما کر انتہائی سخت الفاظ میں ان کے اس زعم کی تردید فرما دی۔ سورۃ البقرۃ میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸﴾

''اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے' بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے ان کے کفر کے سبب' سو بہت کم ایمان لاتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت میں یہ لفظ غُلُفٌ ہے' جو غلاف کی جمع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے دل تو پہلے ہی علم وحکمت سے بھرے ہوئے ہیں' ہمیں محمد (ﷺ) اور قرآن کے علوم کی ضرورت نہیں۔

آج ہمارے دلوں کا حال یہ ہے کہ یہ فرقہ پرستی' تعصب' باطل عقائد' جھوٹی خواہشات'

باطل عقائد سے بھرے ہوئے ہیں، جس کے باعث ہمارے اور قرآن کریم کے درمیان ایک نہیں کئی حجابات اور پردے حائل ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس طرح یہودیوں کو دنیاوی عذاب دیے گئے اسی طرح اس وقت اُمت مسلمہ پر آزمائشوں پر آزمائشیں آ رہی ہیں اور ہم اُمید بھری نظروں سے دیکھتے ہیں شاید کہیں سے مدد مل جائے، مگر اللہ اور اس کے قرآن کی طرف نہیں دیکھتے کہ ہمارے مسائل کا حل تو یہاں موجود ہے۔ بقول اقبال ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

مصادر و مراجع

۱) تفسیر جواہر القرآن، از افادات حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی
۲) سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم، از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ

تحریر: عبدالرشید عراقی

امام ابوعبید قاسم بن سلام کا شمار نامور محدثین میں ہوتا ہے۔ علماءِ اسلام اور ارباب سیر نے ان کے فضل وکمال اور جامع العلوم ہونے کا اعتراف کیا ہے اور تمام علومِ اسلامیہ میں ان کے علمی تبحر اور ان میں مہارتِ تامہ حاصل ہونے کی شہادت دی ہے اور ان کو الامام المشہور' احد اعلام الائمہ' احد ائمۃ الدنیا' العلامۃ العالم' الامام البحر اور الامام الجلیل جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔(۱)

حافظ ابن کثیرؒ نے ان الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے:

احد ائمة اللغة والفقه والحديث والقرآن والاخبار وايام الناس(۲)

''وہ لغت' فقہ' حدیث' قرآن اور اخبار ووقائع کے ماہرین اور ائمہ فن میں سے تھے''۔

امام ابوعبید اپنے علمی اور اخلاقی کمالات کی وجہ سے عوام وخواص ہر طبقہ میں مقبول تھے۔ ان کے علمی تبحر کی وجہ سے علمائے کرام کا طبقہ تو اُن کا معترف تھا ہی' امراء ورؤسا بھی ان کے علم وفضل اور اعلیٰ اخلاق کا مالک ہونے کی وجہ سے ان کے مداح اور قدردان تھے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

هو الامام المقبول عند الكل(۳)

''وہ تمام لوگوں (عوام وخواص) میں مقبول تھے''۔

علامہ سبکی نے بھی ان کے مقبولِ عوام وخواص ہونے کا ذکر کیا ہے۔(٤)

امام ابوعبید قاسم بن سلام ۱۵۰ھ میں ہرات میں پیدا ہوئے۔ اسی سال امام شافعی بھی اس فانی دنیا میں تشریف لائے۔ امام ابوعبید کا تعلق قبیلۂ ازر سے تھا۔ ان کی زندگی کا بیشتر

حصہ بغداد میں گزرا۔(۵)

اساتذہ

امام صاحب نے جن اساتذۂ کرام سے مختلف علوم وفنون میں استفادہ کیا ان کے نام خطیب بغدادی، علامہ ابن سبکی، حافظ ابن حجر اور مؤرخ ابنِ خلکان نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں۔ تاہم آپ کے مشہور اساتذہ یہ ہیں: اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عینیہ، شریک بن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبداللہ بن مبارک اور یحییٰ بن سعید القطان رحمہم اللہ اجمعین۔(٦)

تلامذہ

امام ابوعبید کے مشہور تلامذہ یہ ہیں: ابوبکر بن ابی الدنیا، احمد بن یحییٰ بلاذری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی، نصر بن داؤد اور محمد بن یحییٰ مروزی۔(۷)

رحلت وسفر

امام صاحب نے تحصیل علم کے لئے متعدد مقامات کے سفر کئے۔ اربابِ سیر نے ان کے بغداد، مکہ، مدینہ اور مصر جانے کی تصریح کی ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں:

طلب الحديث و الفقه(۸)

''حدیث اور فقہ کی تلاش وجستجو کی''۔

جامعیت

امام ابوعبید تمام علومِ اسلامیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وسیر، اسماء الرجال، عربیت و لغت اور قراءت میں جامع الکمالات تھے۔ قرآن مجید اور اس کے متعلقہ علوم پر اُن کی وسیع نظر تھی اور قراءت کے تو امام تھے۔ فقہ پر ان کی نظر بڑی دقیقہ سنج واقع ہوئی تھی۔ علماءِ اسلام نے فقیہہ، مجتہد اور عارف بالفقہ والخلاف لکھا ہے۔(۹) امام شافعی جو ان کے ہم عصر اور ہم عمر تھے اور فقہ میں مسلمہ امام تسلیم کئے جاتے ہیں، اُن سے ان کے کئی مناظرے ہوئے اور امام شافعی نے ان کو اپنے دلائل وشواہد سے اپنا ہمنوا بنالیا۔(۱۰) امام ابوعبید کو عربیت، ادب، لغت اور نحو سے خاص لگاؤ تھا۔

رأساً فی اللغة

علماءِ اسلام نے اس فن میں بھی ان کو امام تسلیم کیا ہے اور ان کو ''الادیب'' اور ''رأساً فی اللغة'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔(۱۱)

حدیث

امام ابوعبید کو جس فن سے بہت زیادہ تعلق خاص تھا وہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ اس فن میں ان کا ذوق وشوق اور اس کی طلب کا علماءِ اسلام اور اربابِ سیر نے خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ ان کے حفظ وضبط اور عدالت وثقاہت کا بھی اعتراف کیا ہے اور ان کو ''عالم بالحدیث'' اور ''امام الحدیث'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔

امام ابوعبید کی خدمت حدیث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انہوں نے نقل و روایت، مشکلات وغریب حدیث کی تشریح وتفسیر کے علاوہ نصرتِ حدیث کا فرض بھی انجام دیا۔ حافظ ابنِ حجر نے امام ابنِ حبان کا یہ قول اپنی کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں نقل کیا ہے:

وذب عن الحدیث ونصرہ وقمع من خالفہ(۱۲)

''حدیث کی مدافعت ونصرت کی اور مخالفینِ حدیث کا قلع قمع کر دیا''۔

خطیب بغدادی اور علامہ ابن سبکی نے بھی امام ابن حبان کا یہ قول اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔(۱۳)

فقہی مسلک

امام ابوعبید خود فقیہہ اور مجتہد تھے اور وہ کسی فقہی مسلک سے وابستہ نہ تھے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے مقابلہ میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مذہب کے زیادہ قریب تھے۔(۱۴)

عہدۂ قضا

امام ابوعبید ۱۸ سال تک طرطوس کے قاضی بھی رہے۔(۱۵)

سیرت واخلاق

امام صاحب اعلیٰ سیرت واخلاق کے مالک تھے۔ اصحابِ دولت اور اہلِ ثروت سے دامن بچاتے تھے۔ علماءِ کرام کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ تدین وتقویٰ کے زیور سے آراستہ تھے۔ اربابِ سیر نے ان کو علماءِ ربانیین میں شمار کیا ہے۔ خطیب نے اپنی تاریخ میں

عبداللہ بن طاہر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''چار آدمی اپنے اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے: عبداللہ بن عباس' عامر شعبی' قاسم بن معن اور قاسم بن سلام''۔(۱۶)

عبادت و ریاضت بہت زیادہ کرتے تھے۔ حج بیت اللہ سے دو بار مشرف ہوئے۔ حافظ ابنِ کثیر فرماتے ہیں:

وذکر له من العبادة والاجتهاد فی العبادة شیئًا کثیرا(۱۷)

''اور ان کی عبادت و ریاضت کے بہت سے واقعات ہیں''۔

امام صاحب کو دنیاوی مال و متاع سے کوئی رغبت نہ تھی۔ وہ بقدرِ کفاف ہی خرچ کرتے تھے۔ زائد رقم صدقہ و خیرات کر دیتے تھے۔ بہت زیادہ متبع سنت تھے اور خلافِ سنت کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ متبع سنت لوگوں سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور ان کی تحسین فرماتے تھے۔ صبر و حلم کے وصف سے بھی متصف تھے۔ طبعًا خوددار بھی تھے۔(۱۸)

وفات

امام ابوعبید نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد خلافت میں ۲۲۴ھ میں مکہ معظّمہ میں ۷۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ان کے انتقال کے سلسلہ میں علامہ خطیب بغدادی اور دوسرے مؤرخین و اربابِ سیر نے ایک واقعہ بیان کیا ہے' جو ان کی بزرگی کی دلیل ہے:

''ابوبکر زبیدی کا بیان ہے کہ حج سے فراغت کے بعد جب امام ابوعبید نے واپسی کا ارادہ کیا تو خواب میں آنحضرت ﷺ کا شرفِ دیدار نصیب ہوا۔ امام ابوعبید کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ جلوہ افروزہ ہیں اور ارد گرد چند جاں نثار خدمت و حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ زائرین آ کر سلام عرض کرتے ہیں اور آپؐ سے مصافحہ کرتے ہیں' لیکن مجھے باریابی کی اجازت نہیں تھی۔ میں نے روکنے والوں سے کہا کہ تم لوگ مجھے حاضری کو موقع کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا کہ کل عراق جا رہے ہو' تم کو کیسے اجازت مل سکتی ہے! میں نے کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں' اس دولت کو چھوڑ کر میں عراق نہیں جا سکتا۔ ان لوگوں نے مجھ سے عہد و پیمان لینے کے بعد مجھے حاضری کا موقع دیا اور سلام و مصافحہ کی سعادت میسر آئی۔ اس کے بعد امام صاحب نے روانگی کا ارادہ فسخ کر کے مکہ معظّمہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں انتقال کیا''۔(۱۹)

تصانیف

امام ابوعبید قاسم بن سلام جامع الکمالات ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مصنف اور اہل قلم بھی تھے۔ اربابِ سیر اور علمائے اسلام نے ان کے بلند پایہ ادیب اور انشاء پرداز ہونے کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

لم یکتب الناس اصح من کتبه ولا اکثر فائدة

''ان سے زیادہ صحیح، عمدہ اور مفید کتابیں لوگوں نے نہیں لکھیں''۔

ابن ندیم نے ''الفہرست'' میں ان کی بیس کتابوں کے نام لکھے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

١) کتاب الاحداث	٢) کتاب الحجر والتسلیم
٣) کتاب الحیض	٤) کتاب الادب والقاضی
٥) کتاب الناسخ والمنسوخ	٦) کتاب الایمان والنذور
٧) کتاب عدد آیة القرآن	٨) کتاب فضائل القرآن
٩) کتاب المقصور والممدود	١٠) کتاب النسب
١١) کتاب الشعراء	١٢) کتاب القراء ة
١٣) کتاب الطهارة	١٤) کتاب القراء ة
١٥) کتاب الامثال	١٦) کتاب معانی القرآن
١٧) غریب القرآن	١٨) غریب المصنف
١٩) غریب الحدیث	٢٠) کتاب الاموال[٢٠]

امام صاحب کی تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں، صرف ''کتاب الاموال'' چھپی ہے۔ یہ کتاب اسلامی حکومتوں کے مالیاتی نظام سے متعلق تمام امور و مسائل پر جامع ہے اور اس کا یہ اردو ترجمہ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد نے شائع کر دیا ہے۔

حواشی

۱) تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۰۳، ۴۱۲۔ تاریخ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۶۳۔ طبقات الشافعیہ، ج ۱، ص ۲۷۰، ۲۷۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۱۸۔ شذرات الذہب، ج ۲، ص ۵۵۔

۲) البدایہ والنہایہ، ج ۱۵، ص ۲۹۱۔ ۳) تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۱۶۔

۴) طبقات الشافعیہ، ج ۱، ص ۲۷۱۔ ۵) تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۰۳۔

۶) تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۰۳، ۴۰۴۔ طبقات الشافعیہ، ج ۱، ص ۲۷۰۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۱۵۔ تاریخ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۶۳۔

۷) تقریب التہذیب، ص ۲۰۷ ۸) طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۹۳

۹) تذکرۃ الحفاظ، ج ۲، ص ۵، ۶ ۱۰) طبقات الشافعیہ، ج ۱، ص ۲۰۳، ۲۰۴

۱۱) تذکرۃ الحفاظ، ج ۲، ص ۵، ۶ ۱۲) تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۱۸

۱۳) تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۱۴۔ طبقات الشافعیہ، ج ۱، ص ۲۷۱۔

۱۴) تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۰۵ ۱۵) تاریخ ابن خلکان، ج ۲، ص ۱۶۳

۱۶) تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۱۲ ۱۷) البدایہ والنہایہ، ج ۱۰، ص ۲۹۱

۱۸) تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۱۶ ۱۹) تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۱۵

۲۰) الفہرست ابن ندیم، ص ۱۰۰

بیت المقدس کا معاہدہ

(جو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا)

هٰذَا مَا اَعْطٰی عَبْدُ اللّٰهِ عُمَرُ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَهْلَ اِيْلِيَاءَ مِنَ الْاَمَانِ، اَعْطَاهُمْ اَمَانًا لِاَنْفُسِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَلِكَنَائِسِهِمْ وَصُلْبَانِهِمْ وَسَقِيمَهَا وَبَرِيَّهَا وَسَائِرِ مِلَّتِهَا اَنَّهُ لَا يُسْكَنُ كَنَائِسُهُمْ وَلَا تُهْدَمُ وَلَا يُنْتَقَصُ مِنْهَا وَلَا مِنْ حَيِّزِهَا وَلَا مِنْ صُلْبِهِمْ وَلَا مِنْ شَیْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلَا يُكْرَهُوْنَ عَلٰى دِيْنِهِمْ وَلَا يُضَارَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ، وَلَا يَسْكُنُ بِاِيْلِيَاءَ مَعَهُمْ مِّنَ الْيَهُوْدِ وَعَلٰى اَهْلِ اِيْلِيَاءَ اَنْ يُّعْطُوا الْجِزْيَةَ كَمَا يُعْطِى اَهْلُ الْمَدَائِنِ وَعَلَيْهِمْ اَنْ يُّخْرِجُوْا مِنْهَا الرُّوْمَ وَاللُّصُوْصَ، فَمَنْ خَرَجَ مِنْهُمْ فَهُوَ اٰمِنٌ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ حَتّٰى يَبْلُغُوْا مَاْمَنَهُمْ، وَمَنْ اَقَامَ مِنْهُمْ فَهُوَ اٰمِنٌ وَعَلَيْهِ مِثْلُ مَا عَلٰى اَهْلِ اِيْلِيَاءَ مِنَ الْجِزْيَةِ، وَمَنْ اَحَبَّ مِنْ اَهْلِ اِيْلِيَاءَ اَنْ يَّسِيْرَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ مَعَ الرُّوْمِ وَيُخَلِّيَ بِيَعَهُمْ وَصُلْبَهُمْ فَاِنَّهُمْ اٰمِنُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَعَلٰى بِيَعِهِمْ وَصُلْبِهِمْ حَتّٰى يَبْلُغُوْا مَاْمَنَهُمْ، وَعَلٰى مَا فِيْ هٰذَا الْكِتٰبِ عَهْدُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ وَذِمَّةُ الْخُلَفَاءِ وَذِمَّةُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا اَعْطُوا الَّذِيْ عَلَيْهِمْ مِّنَ الْجِزْيَةِ، شَهِدَ عَلٰى ذٰلِكَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ وَعَمْرُو ابْنُ الْعَاصِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَان وَكُتِبَ وَحَضَرَ سنة ۱۵۔

''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، بیمار، تندرست اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، اس طرح پر کہ اُن کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں اُن پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں والوں کی طرح جزیہ دیں اور وہاں سے یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے، تا کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے۔ اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کر لے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسولِ خدا کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیۂ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہم)، اور یہ (معاہدہ) 15ھ میں لکھا گیا۔'' (بحوالہ: تاریخ ابوجعفر ابن جریر طبریؒ)

قسط وار سلسلہ (25)

پاکستان (۴)

تحقیق و تحریر: سید قاسم محمود

سندھ میں انگریزوں کی آمد

سندھ میں کلہوڑہ خاندان کے زوال کے بعد تالپور قبیلہ برسر اقتدار آیا' اور اس کے تین سرداروں نے حیدر آباد' میر پور خاص اور خیر پور میں اپنی ریاستیں قائم کر لیں۔ اِن حکمرانوں کو میرانِ سندھ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انگریزوں کی نظر ایک مدت سے اس علاقے پر تھی۔ 1809ء میں انہوں نے میروں سے ایک معاہدہ کیا' جس کی رُو سے انہیں دریائے سندھ کے راستے اپنا مالِ تجارت گزارنے کی اجازت مل گئی اور انگریزوں نے وعدہ کیا کہ وہ نہ تو سندھ میں فوجی ساز و سامان لائیں گے' نہ یہاں کوئی فوجی کارروائی کریں گے۔ 1838ء میں انگریزوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی فوج سندھ کے راستے افغانستان بھیجی۔ میرانِ سندھ نے جنگِ افغانستان کے دوران میں نہ صرف اُن کی فوجی نقل و حرکت میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی' بلکہ مالی اعانت بھی کی۔ اس احسان کا بدلہ انہیں یہ ملا کہ 1843ء میں چند ناواجب مطالبات کی آڑ میں چارلس نیپئر نے زبردستی سندھ پر چڑھائی کر دی۔ رئیس خیر پور نے اپنے بھائی بندوں کو چھوڑ کر انگریزوں کی معاونت کی تھی۔ چنانچہ اُسے ایک مختصر سے علاقے کی دیسی ریاست کا حکمران بنا دیا گیا اور باقی سارا سندھ کمپنی کی حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ انگریزوں نے ہوسِ ملک گیری کے سلسلے میں شاید اس سے زیادہ مذموم اور مجرمانہ حرکت کبھی نہ کی ہو' اور اس کا اعتراف وہ خود بھی کرتے ہیں۔ 1847ء میں سندھ کا علاقہ صوبہ بمبئی سے ملحق کر دیا گیا۔

پنجاب میں انگریزوں کی آمد

انگریزوں نے دریائے جمنا اور ستلج کے درمیانی علاقے کو ابتداء ہی سے زیرِ تصرف لانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ اُن دنوں پنجاب پر رنجیت سنگھ حکومت کر رہا تھا اور کشمیر' بہاول پور' ڈیرہ

جات' ہزارہ اور پشاور کے علاقے سکھوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ 1809ء میں جب انگریزوں نے میرانِ سندھ سے معاہدہ کیا تھا' اُسی سال سکھوں سے ''معاہدۂ امرتسر'' کیا' جس کی رو سے دریائے ستلج انگریزوں اور سکھوں کی درمیانی سرحد قرار پایا۔ 1839ء میں رنجیت سنگھ کے مرتے ہی سکھ فوج بے قابو ہوگئی۔ چند سال کے اندر اندر سکھ فوج نے چار حکمرانوں کو گدّی پر بٹھایا۔ چوتھا راجہ رنجیت سنگھ کا نابالغ بیٹا دلیپ سنگھ تھا' جس کی سرپرست اُس کی ماں جنداں اور وزیر لال سنگھ نے فوج کا زور توڑنے کے لیے انگریزوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ مدکی' سبراؤں اور فیروز شاہ کے مقامات پر یکے بعد دیگرے شکستیں کھانے کے بعد 1845ء میں سکھوں کو معاہدۂ لاہور پر دستخط کرنے پڑے' جس کی رُو سے انہوں نے ستلج اور بیاس کا درمیانی علاقہ (جالندھر دوآب) انگریزوں کے حوالے کر دیا اور بھاری تاوان دینے کا وعدہ کیا۔ یہ تاوان جموں اور کشمیر کا صوبہ گلاب سنگھ ڈوگرا کے ہاتھوں فروخت کر کے ادا کیا گیا۔ لڑائی کے بعد سکھوں میں انتقام لینے کا جوش پیدا ہوا۔ ادھر دربارِ لاہور میں جو انگریز مشیر مقرر ہوا تھا' اس نے کاروبارِ حکومت میں بے جا دخل دے کر اُس جوش کو اور بھڑکا دیا۔ ملتان کے صوبے دار مول راج نے دو انگریزوں کو قتل کر کے بغاوت کا آغاز کیا اور پھر یہ آگ پورے صوبے میں پھیل گئی۔ گجرات اور چیلیانوالہ کی خونریز لڑائیوں نے سکھوں کی فوجی قوت ختم کر کے رکھ دی اور 1849ء میں پنجاب اور ملحقہ شمال مغربی سرحدی علاقے انگریزوں کے تسلط میں آ گئے۔

پورے برعظیم پر انگریزوں کا قبضہ

اس طرح ایک ایک قوت مجروح ہو کر میدان سے ہٹتی گئی' تا آں کہ انیسویں صدی کے وسط تک انگریز اپنے سیاسی جوڑ توڑ' سازشوں اور اعلیٰ و منظم حربی قوت کے بل پر اور مقامی ریاستوں کی کمزوری اور نااتفاقی اور اُن کے حکام کی خودغرضی' عیش کوشی اور ہوسِ جاہ و زر کی بدولت پورے برعظیم پر مسلط ہو گئے۔ جو ملکی گدیاں برائے نام باقی رہ گئیں' وہ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلیوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ آخری مغل فرمانروا بھی ان کٹھ پتلیوں میں شامل تھے۔ جن قوتوں نے انگریزوں کو سہارا دے کر آگے بڑھایا تھا' وہ بھی اُن کی زد سے نہ بچیں' مثلاً نظامِ دکن اور مرہٹے۔ چنانچہ یہ لوگ یا تو بالکل مٹ گئے یا انگریزوں کے اجیر ہو کر رہ گئے۔

مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت' قیادت' سیادت' تفوق' خوشحالی' سب کچھ جاتا رہا۔ نئی' اجنبی' غیرملکی حکومت سے اُن کی بیزاری ایک فطری امر تھا۔ اسلامیت اور سلطنت کے احیاء کے لیے بادشاہ اور فوج سے کچھ کرنے کی اُمید باقی نہیں رہی تھی' اس لیے کہ رؤسا انگریزوں سے وابستہ ہو چکے تھے' لہٰذا اب عوام کو براہِ راست یہ فرض ادا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ احیائے اسلام اور حصولِ آزادی کے لیے مسلمانانِ ہند نے جو تحریکیں جاری کیں' ان کا حال ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' میں

ہم قسط وار کسی قدر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ تاہم ''میثاق'' کے قارئین کے لیے یہاں اُن کا خلاصہ پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سید احمد شہید کی تحریک

یہ اصلاح و جہاد کی ایک بڑی اور طاقتور تحریک تھی جس کا علَم سید احمد بریلوی نے بلند کیا۔ مسلمانوں میں مشرکانہ رسوم وعقائد اور بدعات کا قلع قمع اور برِعظیم میں آزاد اور خودمختار اسلامی حکومت کا قیام اُن کا مطمحِ نظر تھا۔ انہوں نے تھوڑی ہی مدت میں شاہ عبدالحی اور شاہ اسماعیلؒ جیسے مجاہدین اسلام اور علم بردارانِ حریت کی ایک ایسی جماعت پیدا کر لی جو اپنے نصب العین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کو اپنا دینی فریضہ جانتی تھی۔ افسوس کہ یہ تحریک بھی خاص مشکلات کے باعث مطلوبہ نتائج پیدا نہ کر سکی۔ اس سے پہلے بنگال میں نواب سراج الدولہ اور جنوب میں ٹیپو سلطان بھی تقریباً ایسی ہی مشکلات کے سبب جنگِ مزاحمت ہار چکے تھے۔ سید صاحب اور اُن کے رفقاء 1831ء میں سکھوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اُن کی جماعت کے بقیۃ السلف افراد ''سرحدِ آزاد'' ہی میں مقیم رہے اور غیر ملکی حکومت کے خلاف اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے مسلمانانِ ہند کو برابر یاد دلاتے رہے کہ مسلمان کا نصب العین آزاد اسلامی ریاست کے قیام کے سوا کچھ نہیں۔

فرائضی تحریک

اس سلسلے کی ایک اور تحریک جو بنگال سے شروع ہوئی' فرائضی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ ابتداء میں یہ صرف عقائد و اعمال کی اصلاح تک محدود تھی اور اس کے بانی حاجی شریعت اللہ عمر بھر اِن مشرکانہ عقائد اور غیر اسلامی رسوم کی مذمت کرتے رہے' جنہوں نے اسلامی معاشرے میں راہ پا کر اسے بے دین اور کھوکھلا کر دیا تھا۔ اُن کے بیٹے مولوی محمد محسن (دودھومیاں) کے زمانے میں اس تحریک نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ دودھومیاں نے چھوٹے چھوٹے مسلمان کاشت کاروں کو ہندو زمینداروں کے مظالم سے چھٹکارا دلانے کے لیے منظم کیا اور بنگال کے مختلف اضلاع میں متوازی حکومت قائم کر لی۔ بدقسمتی سے مفاد پرستوں کی ''مہربانیوں'' کے باعث یہ تحریک بھی پروان نہ چڑھ سکی۔

1857ء کی جنگِ آزادی

سید احمد بریلوی کی شہادت کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف کارکن انگریزی حکومت کے خلاف خفیہ ایک منظم انقلاب کا سروسامان کر رہے تھے کہ اچانک ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں وہ واقعہ پیش آیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے 1857ء کے ہنگامۂ عظیم کی شکل اختیار کر لی اور قومی کارکنوں کو اپنی تیاریوں کی تکمیل کا انتظار کیے بغیر جنگِ آزادی میں شریک ہونا پڑا۔ نانا صاحب

اور جھانسی کی رانی لکشمی بائی جیسے غیر مسلم رہنما بھی اس جنگ میں شامل تھے' لیکن انہیں اپنی ریاستیں چھن جانے کا رنج تھا۔ مسلمان کارکنوں کے سامنے اسلامی حکومت کی بحالی اور ملک میں اسلامیت کے احیا کے سوا کوئی ذاتی غرض نہ تھی۔ ان کارکنوں میں زیادہ نمایاں مولوی احمد اللہ مدراسی اور مولوی عظیم اللہ خان تھے۔ احمد اللہ نے ایک دوست نما تعلقہ دار کے ہاتھوں شہادت پائی اور مولوی عظیم اللہ نے ہنگامے کے بعد روپوشی اختیار کر لی اور غالباً 1859ء میں وفات پائی۔

1857ء کی جنگِ آزادی میں اگرچہ فوجی سپاہی پیش پیش تھے' لیکن عام شہریوں (بالخصوص مسلمانوں) نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بحیثیت مجموعی یہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی طرف سے انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کی مشترکہ اور بھرپور کوشش تھی۔ اس کی ایک وجہ تو سیاسی تھی۔ لارڈ ڈلہوزی نے انگریزی مقبوضات میں اندھا دھند اضافہ کر کے سینہ زوری اور بے آئینی کا ثبوت دیا تھا' جس سے ہر طرف بدگمانی اور نفرت پھیل گئی۔ اودھ' ستارہ' جھانسی وغیرہ ریاستوں کا الحاق انگریزی حکومت میں اُس نے اسی لیے کیا تھا۔ علاوہ ازیں اُس نے یہ حکم بھی دیا تھا کہ بہادر شاہ ظفر کی وفات کے بعد مغل بادشاہت ختم کر دی جائے گی اور اُس کے جانشین لال قلعہ خالی کر کے دہلی کے قریبی قصبے مہرولی چلے جائیں گے۔ اپنے سیاسی اقتدار کی آخری علامت کے ختم ہونے پر مسلمانوں کو بے حد دکھ ہوا۔

دوسری وجہ اقتصادی اور معاشرتی تھی۔ انگریزوں نے ایک طرف تو جاگیریں ضبط کر کے ملک کے خوشحال طبقے کو معاشی بحران میں مبتلا کر دیا' اور دوسری طرف اپنی درآمدات میں اضافہ کرنے کی غرض سے مقامی صنعتوں کو تباہ اور مفلوج کر کے رکھ دیا۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ عیسائی مبلغین نے حکومت کی پشت پناہی میں تمام مذاہب کی تضحیک کرنا شروع کر دی اور عیسائیت کو فروغ دینے کے لیے ترغیب اور تحریص کے حربے استعمال کیے۔

چوتھے' انتظامی اصلاحات کی وجہ سے قدیم طرزِ زندگی میں تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں جو لوگوں کو قبول نہ تھیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ لارڈ کیننگ کے سرکاری ملازمتوں کی فہرست سازی کے قانون نے فوج میں بے چینی پھیلا دی۔ فوجیوں سے بیرونِ ملک خدمات کا حلف لیا جانے لگا اور اس کے عوض فالتو مشاہرہ دینے سے انکار کر دیا۔ جن فوجیوں نے صدائے احتجاج بلند کی اُن پر انتہائی سختی کی گئی اور بعض مقامات پر انہیں گولی سے اڑا دیا گیا۔ فوجی بغاوت کا فوری سبب یہ تھا کہ فوج کو ایسے کارتوس کے استعمال کا حکم دیا گیا جن پر چربی چڑھی ہوئی تھی اور انہیں چلانے سے قبل چربی کی جھلّی کو دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ 9 مئی 1857ء کو میرٹھ چھاؤنی کے سپاہیوں کو یہ کارتوس استعمال نہ کرنے کی پاداش میں دس دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ اُن کے ساتھیوں نے اگلی صبح بغاوت کر کے جو انگریز افسر ہاتھ آیا' اسے قتل کر دیا۔ تقریباً پانچ ہزار سپاہی لشکر بنا کر دہلی پہنچ گئے اور 11 مئی کو بہادر

شاہ ظفر کی شہنشاہی کا اعلان کر دیا۔ کئی مسلمان سردار، جن میں بریلی کا نامور سالار بخت خان ممتاز ترین تھا، بہادر شاہ کے ساتھ مل گئے۔ 20 ستمبر کو انگریزوں نے دہلی پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو، جو ہمایوں کے مقبرے میں پناہ گزین تھا، گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا۔ لکھنؤ میں مجاہدین کی قیادت مولوی احمد اللہ نے کی۔ 16/مارچ 1858ء کو انگریز دوبارہ علاقہ اودھ پر قابض ہو گئے۔ نانا صاحب نے مولوی عظیم اللہ خان اور تانتیا ٹوپی کی معیت میں کان پور سے مقابلے کا پرچم بلند کیا، مگر انگریز کمانڈر ہیولاک نے انہیں شکست دی۔ اسی طرح ہندوستان کے شمالی اور وسطی علاقوں میں جو شورشیں ہوئیں، وہ 1858ء کے آخر تک دَم توڑ گئیں۔

اس انقلاب خیز جنگِ آزادی کی ناکامی کے کئی اسباب تھے: مسلمانوں اور ہندوؤں میں تنظیم، اتحاد اور منصوبہ بندی کا فقدان تھا۔ ان کے پاس اسلحہ بھی مقابلتاً ناقص تھا۔ ڈاک اور تار جیسے اہم وسائل انگریزوں کے قبضے میں تھے، جن کی وجہ سے وہ ہر محاذ کے بارے میں باخبر رہتے تھے۔ انقلابیوں کو اعلیٰ درجے کے سپہ سالار اور کمانڈر بھی میسر نہ تھے۔ وہ ہر جگہ لوگوں کو اپنے ساتھ نہ ملا سکے، بلکہ اکثر مقامات پر خود مقامی امراء نے انگریزوں کی حمایت کی۔ اکثر ہندوستانی ریاستوں، مثلاً گوالیار، حیدر آباد، نیپال اور پنجاب کے سکھوں نے انگریزوں کی پوری مدد کی، اور افغانستان کے امیر دوست محمد خان نے بھی اس موقع پر انگریزوں کو تنگ کرنے سے اجتناب کیا۔

1857ء کی جنگِ آزادی اپنی ناکامی کے باوجود اسلامیانِ ہند کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس جنگ (یا غدر یا بغاوت) سے ثابت ہو گیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی گرفت ملک پر کمزور ہے اور حکمرانوں کو اپنے نقطۂ نظر میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1858ء کی رو سے کمپنی کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا اور ہندوستان براہِ راست ملکۂ انگلستان کی عمل داری میں شامل کر لیا گیا۔ لارڈ کیننگ پہلا وائسرائے مقرر ہوا۔ برطانوی مجلس وزراء (کابینہ) میں وزیر مملکت برائے ہند کا تقرر عمل میں آیا، جو پندرہ ارکان کی مجلس مشاورت کا سربراہ تھا۔ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان میں مقامی باشندوں کے جان و مال اور حقوق کی پوری نگہداشت کا یقین دلایا گیا۔

1857ء کے بعد بالخصوص مسلمانوں کو انگریزوں کے عتاب کا شکار ہونا پڑا۔ اُن کی املاک ضبط ہوئیں اور اوقاف چھین لیے گئے۔ انہیں ملازمتوں سے علیحدہ رکھا گیا۔ معاشی ترقی کی تمام راہیں مسلمانوں پر بند کر دی گئیں۔ ہزاروں کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔ سینکڑوں کو کالے پانی بھیج دیا گیا۔ ہزاروں مختلف محاذوں پر ہلاک ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی برتری کا زمانہ ختم ہوا۔ اُن میں خوف، بددلی، مایوسی اور نا اُمیدی پھیل گئی۔ اُن کے مقابلے میں ہندوؤں نے بہت جلد نئے حالات سے سمجھوتہ کر لیا اور وہ تعلیم، تجارت اور ملازمتوں میں ترقی کرنے لگے۔ (جاری ہے)